لندن سے شائع ہونے والا میدانِ ادب کا واحد کثیر الاشاعت بین الاقوامی اردو میگزین
लंदन से सबसे अधिक प्रकाशित होने वाला उर्दू अदका मात्र अंतरराष्ट्रीय मैगज़ीन
An International Literary Urdu Magazine Globally Circulated

ماہنامہ قندیل ادب انٹرنیشنل لندن

شمارہ: 119   نومبر 2022ء

QINDEEL-E-ADUB INTERNATIONAL

103 Peterborough Road Carshalton SM5 1EE London
(M) 0044-7886-304637 (R) 02086482560
www.qindeel-e-adub.co.uk, ranarazzaq52@gmail.com

ادبی مجلس نیومالڈن لندن   (رپورٹ صفحہ 30 ملاحظہ فرمائیں)

والتھم فاریسٹ پاکستانی کمیونٹی فورم کا ماہانہ مشاعرہ   (رپورٹ صفحہ 29 پر ملاحظہ فرمائیں)

Earlsfield Properties

Professional Residential Property Management Services

We will manage your property at 0% commission
Guaranteed
Rent Schemes for 3 & 5 years.

Free Management Services
Guaranteed Vacant Possession.

Get it Right

- ✔ Member National Landlord Association
- ✔ Member Deposit Portection Schemes
- ✔ Member The Property Ombudsman Scheme
- ✔ Winner of Pakistan Achievement Award 2014 (Excellence Management)
- ✔ Vastly Experience in Housing Benefits Clients.

PLEASE CONTACT: NAVEED SARWAR (MA EUROPEAN REAL ESTATE)

175 Merton Road, London SW18 5EF

Tel: 02082656000 02088770762
Fax: 02088749754
Email: info@earlsfieldproperties.com
Web: www.earlsfieldproperties.com

مجلس ادارت

بانی اراکین

خان بشیر احمد رفیق مرحوم

آدم چغتائی مرحوم

مدیر

رانا عبدالرزاق خان

نائب مدیر: مبشر شہزاد، گلاسگو

اراکین ادارتی بورڈ

ڈاکٹر منور احمد کنڈے، رضیہ اسمعیٰل برمنگھم، رند ملک کنیڈا، اسلم ناصر آسٹریلیا، ثقلین مبارک آسٹریلیا، رانا مبارک احمد بحرین، بشیر احمد خان سویڈن، راجہ منیر احمد، ڈاکٹر منصور خوشتر بھارت، منور احمد خورشید۔ امجد مرزا امجد، طارق مرزا آسٹریلیا، عبدالقدیر کوکب، بشارت احمد چیمہ۔

التماس

تمام دوستوں سے التماس ہے کہ اپنی شعری و نثری تخلیقات اور ادبی پروگرامز کی رپورٹیں وغیرہ برائے اشاعت بصورت ''اِن پیج اردو'' فائلز مع تصاویر ای میل سے روانہ فرمائیں۔ ''قندیل ادب انٹرنیشنل'' بیسیوں ممالک میں لاکھوں اردو قارئین کے زیر مطالعہ رہتا ہے۔ میگزین کے مندرجات پر آپ کی رائے یا مختصر تبصرے ہمیں اپنا محاسبہ کرنے میں مدد دیتے ہیں۔ مضامین کے ساتھ ضروری حوالہ جات آپ کے مضامین کی افادیت کو بڑھاتے ہیں۔ آپ کی بھیجی ہوئی تمام تصاویر وغیرہ ''کاپی رائٹ فری'' ہونی چاہئیں۔ شکریہ

IMPORTANT ANNOUNCEMENT

"Qindeel-e-Adab International" magazine is a non-commercial and non-profit e-product, as well as on paper, internationally distributed free of cost for the promotion of bi-lingual poetry, fiction, informative multi purpose interesting articles etc in Urdu alphabet in the UK and Europe under the sole ownership of its Chief Editor Abdul Razzaq Khan of the address as stated elsewhere within this magazine for delivery of documents.

The magazine and the contents herein DO NOT relate to a political, religious or a social group whatsoever. The Editor does not necessarily agree with the opinions expressed by the article writers, poets etc..

Although the e-magazine is FREE OF COST to all, yet for ON PAPER copies of the magazine we do expect a reasonable amount of donation to cover the costs of printing, postage and packing for all countries as stated

Chief Editor

فہرست مضامین

قندیل ادب کے دس سال		4
غزلیات: امجد مرزا امجد، وسیم بریلوی، ڈاکٹر فرزانہ فرحت، منیر باجوہ، افتخار راغب دوحہ قطر، ڈاکٹر طارق انور باجوہ، سید معین شاہ، طفیل عامر، عاصی صحرائی، اختر چشمہ، ساغر صدیقی، جبیں نازاں، احمد فراز، شفیق مراد جرمنی، مدثر عباس، غفران کامل، آفتاب شاہ، اطہر حفیظ فراز، ساجد محمود رانا،		5 تا 12
کسی کی مدد کا اچھا طریقہ	فراز وحید خان	12
کہاوت ہے خدا کی لاٹھی بے آواز ہوتی ہے	ادارہ	13
ادیبوں کے لطائف	مرسلہ: زکریا ورک ٹورنٹو	14
ہم جنس پرستی قومی عادت ہے	ایم۔ پشتون	16
ٹرانس جینڈر ایکٹ کی تفصیلات	الف میم	17
یہ معاشرہ اخلاقی پستی کا شکار ہو چکا ہے	اے آر خاں	19
جستہ جستہ	عطاء القادر طاہر	20
آفتاب شاہ	ادارہ	21
نظام لوہار کی باغیانہ سوچ	ادارہ	22
راولپنڈی Rawalpindi نصف صدی پہلے	ابن صحرا	25
افسانچے ضرورت	رئیس صدیقی	26
بہادر شاہ ظفر	تحاریر شگفتہ	27
برلن جرمنی میں مہلک بیماریوں پر طبی کانفرنس کا خلاصہ	ادارہ	29
والتھم فاریسٹ پاکستانی کمیونٹی فورم کا ماہانہ مشاعرہ	امجد مرزا امجد	30
عورتوں کا پیر و مرشد	ابن لطیف	31
ادبی مجلس نیومالڈن لندن	ادارہ	31
کیا آج قائداعظم کا کوئی وارث زندہ نہیں؟	اصغر علی بھٹی نائیجر مغربی افریقہ	32
عادت	نیاز جیراجپوری	36
معروف ادبی گھرانا کا مقبول عام شاعرہ ندا فاضلی	(جبیں نازاں نئی دہلی)	37

اداریہ:

قندیل ادب کے دس سال

خاکسار نے یہ رسالہ جنوری 2013ء میں شروع کیا تھا۔محترم مولانا بشیر احمد رفیق مرحوم کے مشورے اوران کی تحریک پر کیونکہ ان کو اردو ادب سے بھی بہت محبت و پیار تھا۔مولانا بشیر احمد رفیق مرحوم ایک بہت بڑے عالم ہونے کے ساتھ ساتھ بہت بڑے ادیب بھی تھے۔ادبی محافل کا انعقاد بھی کرواتے رہے 1958 سے وہ لندن میں مقیم تھے۔

مجھے بھی ان کی راہنمائی میں کافی کام کرنے کی توفیق ملی ۔ میرے مشاعروں میں بھی وہ بخوشی تشریف لاتے۔اور کئی طرح کی راہنمائی فرماتے۔دوسرے عظیم شخص محترم عبدالواسع آدم چغتائی تھے۔انہوں نے بھی خاکسار کی بہت راہنمائی کی۔تیسرے نوجوان شاعر مبارک صدیقی تھے۔اور بھی بہت سے باذوق احباب نے میرے ساتھ تعاون کیا۔خوفِ طوالت کی وجہ سے ذکر نہیں کرسکتا۔مثلاً مولانا عطاءالمجیب راشد صاحب۔

اعلان

ماہانہ قندیل ادب انٹرنیشنل میگزین کا سالانہ چندہ 25 برطانوی پونڈ ہے۔اگرکسی کو گھر پر بذریعہ ڈاک ارسال کرنا پڑے تو 35 پونڈ سالانہ ہے۔

نیچے دیئے گئے اکاؤنٹ میں سالانہ چندہ کی ادائیگی فرمائیں۔جزاکم اللہ

رانا عبدالرزاق خان لندن

HSBC London UK,

A/C 04726979

Sort Code 400500

(M) 0044-788-304637,
(R) 02086482560

مودبانہ گزارشِ

سالنامہ قندیل ادب انٹرنیشنل 10 سال کا شائع ہورہا ہے

الحمد للہ دسمبر ۲۰۲۲ء میں قندیل ادب انٹرنیشنل لندن کو مسلسل شائع ہوتے ہوئے دس سال ہورہے ہیں۔اللہ تعالیٰ کے فضل سے سورج کی سی باقائدگی کے ساتھ یہ ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو مسلسل ہوتا رہا ہے۔ان دس سال میں میرے معاونین اورمحسنین کا کمال ہے۔ان کی دعاؤں اور محنت کا صلہ ہے کہ اس رسالے کواللہ تعالیٰ نے عظمت بخشی۔جو بلا تفریق مذہب وملت اردو ادب کی خدمت میں مصروف رہا ہے۔کئی ابوجہل صفت لوگوں نے اپنے بغض وکینہ کے تیر بھی چلائے۔منفی پروپیگنڈہ کر کے نفرت بھی پھیلانے کی ناکام کوشش کی مگر خدا تعالیٰ نیتوں کو جانتا ہے۔خاکسار کو تو امید نہیں تھی کہ اسقدر خدمت سرانجام دے سکوں گا۔اور یہ رسالہ اس قدر پذیرائی حاصل کرے گا۔ساری دنیا میں یکساں مقبول قارئین اردو ادب میں یہ بین الاقوامی پہلا رسالہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کے فضلوں اور انعامات کا سلسلہ اس قدر طویل اور وسیع تھا کہ آج ہم سب اس ہستی کے مشکور ہیں۔قندیل ادب انٹرنیشنل لندن یکم جنوری ۲۰۱۳ کو شروع کیا گیا۔اوراب یہ رسالہ دوصد سے زائد ممالک میں بذریعہ ای میل اور واٹس ایپ، وائبر، ٹیلیگرام، انسٹا گرام، فیس بک، ٹوئٹر۔ویب سائٹ۔دس لاکھ احباب تک رسائی پا رہا ہے۔ساری دنیا میں اس کے دیوانے اسے پرموٹ کرتے ہیں۔اور اردو ادب کے لکھاریوں کی عزت افزائی بھی ہوتی ہے۔اب دوستوں سے گزارش ہے کہ ۳۰ نومبر ۲۰۲۲ تک اپنے رشحات قلم سے اسے نوازیں اور اپنی ایک تصویر بھی ارسال کریں۔انشاءاللہ ادارہ آپ کو ویلکم کرے گا۔خدا تعالیٰ آپ کو خوش اور صحت مند رکھے۔

رانا عبدالرزاق خاں

مدیراعلیٰ، قندیل ادب انٹرنیشنل لندن

غزلیات

دُعا

امجد مرزا امجد

اخوت کو بڑھانا چاہتا ہوں
تعصّب کو مِٹانا چاہتا ہوں
فساداتِ زمانہ سب مِٹا کر
وفا کے بیج بونا چاہتا ہوں
بلا جو آئے تیری سَمت کوئی
مَیں خود پہ جھیل جانا چاہتا ہوں
ترے پرچم میں عظمت کا نشاں ہے
جسے میں والہانہ چاہتا ہوں
ضرورت ہے تری، قائدِ اعظم!
تجھے مَیں پھر بُلانا چاہتا ہوں
ہیں عزم کے دھاگے میں سارے امجدؔ
خداؤں کو پرونا چاہتا ہوں

نعت

ڈاکٹر فرزانہ فرحت

علاجِ غم کریں آقا! مرے آنسو گہر کر دیں
مرے ویران گھر پر آپؐ رحمت کی نظر کر دیں
زمانے میں مسّرت آپؐ نے دی ہر دکھی دل کو
قبولیں اشک یہ، میری عقیدت معتبر کر دیں
تھکن سے چور ہوں لیکن مسافت اب بھی باقی ہے
کریں چشمِ کرم، آساں مرا ہر اک سفر کر دیں
زباں بھی گنگ ہے، آقا! مرے الفاظ بھی گونگے
تسلی آپؐ دے کر لفظ میرے پُر اثر کر دیں
بچھے ہیں خار راہوں میں مرے دل کو نہیں راحت
مرے رستوں کو پھولوں سے بھری اک رہگزر کر دیں
مدینے کی گلی کی خاک سے مجھ کو ملے فرحتؔ
وہاں مجھ کو بلا کر میری ہستی معتبر کر دیں

وسیم بریلوی

اپنے ہر ہر لفظ کا خود آئینہ ہو جاؤں گا
اس کو چھوٹا کہہ کے میں کیسے بڑا ہو جاؤں گا
تم گرانے میں لگے تھے تم نے سوچا ہی نہیں
میں گرا تو مسئلہ بن کر کھڑا ہو جاؤں گا
مجھ کو چلنے دو اکیلا ہے ابھی میرا سفر
راستہ روکا گیا تو قافلہ ہو جاؤں گا
ساری دنیا کی نظر میں ہے مرا عہد وفا
اک ترے کہنے سے کیا میں بے وفا ہو جاؤں گا

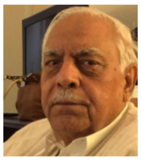

عبدالشکور کلیولینڈ

دِلِ مُحبّت میں یُوں زنجیر ہُوا
ساتھ اُس کا مِری تقدیر ہُوا
ایک چہرہ پسِ موسمِ وصل
دِل کے آئینے میں تصویر ہُوا
حرف لفظوں میں ڈھل رہے تھے ہنُوز
خامہ لرزاں دمِ تحریر ہُوا
جیسے گُل پر ہو نزُولِ شبنم
اُس کا آنا مِری توقیر ہُوا
جس نے دیکھا وہ حُسن اور احسان
خیر کی راہ کا فقیر ہُوا
فرطِ نظّارا نے لب بستہ کیا
رُخِ انور جُونہی تنویر ہُوا
آ گیا دِل کے صدف میں تنہا
دِل مرا جب کبھی دِلگیر ہُوا

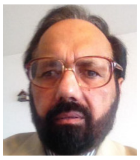

منیر باجوہ

''وجدان جائے گا''

ممکن نہیں کہ دل کبھی مان جائے گا
بچ عشق کے آزار سے انجان جائے گا
راہِ وفا پہ چلتے ہوئے عمر کٹ گئی
امید ہے وہ دیکھ کے پہچان جائے گا
کیا بچ رہیگا باقی دلِ ناتواں کے پاس
''دل سے اگر کبھی ترا ارمان جائے گا''
کیسا بھلا وہ یار جس میں نہ ہو خلوص
پہچانا اپنے صِدق سے انسان جائے گا
ان حسرتوں کے جھُرمٹ کو کہہ دو الوداع
ورنہ نکل کے دل سے طوفان جائے گا
بادِ صبا کے رقص سے کِھل اٹھے لالہ زار
خوشبو سے مہک سارا گلستان جائے گا
کُھلتی رہیں گی عشق میں گرہیں منیرؔ سب
جس سمت دلِ زار کا وجدان جائے گا

افتخار راغبؔ دوحہ قطر

نہیں ہے کیا یقیں کہنا
نہیں ہے تو نہیں کہنا

نہ ہو اک سانپ بھی جس میں
اُسے کیا آستیں کہنا
ستم میں آسماں اُس کو
محبت میں زمیں کہنا
بہت رِسکی ہے اب اے دل
کسی سے کچھ کہیں کہنا
ہَوا ہے گوش بر آواز
نظر سے آفریں کہنا
بہت کچھ کہہ گیا راغبؔ
کسی کا کچھ نہیں کہنا

ڈاکٹر طارق انور باجوہ

خدا نے جب سکھایا ہے کُھلا توبہ کا در رکھنا
تو کر کے درگزر، سب دوستوں کو معتبر رکھنا
ضروری تو نہیں جو تم سمجھتے ہو، وہی سچ ہو
کہیں کوئی غلط فہمی نہ ہو یہ سوچ کر رکھنا
جلا دینا دِیا، دیکھو اندھیرا جب کسی گھر میں
اُسے جلتے ہوئے جب تک نہ ہو جائے سَحَر رکھنا
سرِ رہ ملنے والے اجنبی لوگوں سے ملنا جب
نہ کہنا دل کی باتیں، گفتگو بس مختصر رکھنا
چھپانا تو ہوا کرتا ہے مشکل حالِ دل اکثر
نہ چہرے سے عیاں حالت ہو یوں صورت مگر رکھنا
مخالف ہر قدم پر راستہ روکیں گے لیکن تم
مقابل ہو کوئی، ہر حال میں سینہ سپر رکھنا
جسے سمجھو تمہاری دوستی کی پاسداری ہے
تو اس سے واسطہ بے شک، بلا خوف وخطر رکھنا
بلندی مرتبے میں اپنے چاہو جو کبھی طارقؔ
مرا اعلٰی ہے رب کہتے ہوئے سجدے میں سر رکھنا

اے شاہِ جہاں آقا صلی اللہ علیہ وسلم

میری ہیں لغزشیں اتنی کہ نا قابل بیاں آقا
بتانے سے لرزتی ہے میری نادم زباں آقا
یرے دیدار کی حسرت لئے پھرتا ہوں سینے میں
تیری نصرت کا طالب ہوں تُو سُن اے مہرباں آقا
میں تیری خاکِ پا ہوتا تو کتنا شادماں ہوتا
مگر مَیں جانتا ہوں تُو کہاں اور مَیں کہاں آقا
ہراک ترسی نگاہ تکتی ہے پیارے تیرے چہرے پر
امیدیں تجھ سے باندھے ہے جہاں کا کارواں آقا
یہ الفت ہے تیری آقا رُلاتی ہے مجھے ہردم
تیرے عُشاقِ صادق کا بھی تُو ہے قدرداں آقا
تیری ہی روشنی سے جگمگا اُٹھا جہاں سارا
گروہِ انبیاء بھی ہے تری ہی کہکشاں آقا
نرالی شان ہے تیری نرالے تیرے جلوے ہیں
حبیبِ کبریا تُو ہے تُو ہے شاہِ جہاں آقا
زماں سارے ہی ہیں محتاج یاں تیری شفاعت کے
منیر بے نوا کو بھی عطا کر تُو اَماں آقا

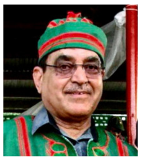

سید معین شاہ

موتی موتی اَوتھوں میں کھندا جاواں
چھے چپے اَوندے ٹُر دا جاواں
ولی ہولی اَوتھوں میں کھندا جاواں
اوندے دَل میں ویکھدا جاواں
دوں اَو ویکھے میرے دَل
میں پانی پانی ہوندا جاواں
میرا موتی مینوں ویکھے ٹیڑی اَکھی
گدا اَوندے دل وِچ وَس دا جاواں
جَدوں میرا موتی نہ لبھے مینوں
دس رَبّا، پھر میں کتھے جاواں
موتی موتی اُن میں کھندا جاواں

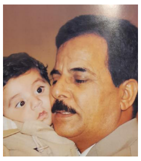

طفیل عامر

کانوں میں رس گھولے گا
کب تو مجھ سے بولے گا
کب تک رہنا ہے زندہ
کب تک تو کم تولے گا
کیا ایسا ممکن ہو گا !
چین سے کوئی سو لے گا
کل کو وہی تو کاٹے گا
جو کچھ آج تو بو، لے گا
چھینٹے خون کے ہاتھوں پر
اس نے سمجھا، دھو لے گا
عامر ہیں تیری باتیں
تو بھی کیا لب کھولے گا
دستک سے تھکے ہاتھ

طفیل عامر

زیر اثر رہنا پڑا
سب بھول کر رہنا پڑا
کیوں اجنبیت نہ گئی
یہ کس کے گھر رہنا پڑا
پت جھڑ کے موسم میں خدا
مجھ کو شجر رہنا پڑا
قربت تیری سے دور تر
کیا ہوگا، گر رہنا پڑا
اک قول کی خاطر مجھے
پھر عمر بھر رہنا پڑا
صدمے تسلسل سے سہے
با چشم تر رہنا پڑا

عامر زیادہ کیا کہوں
پھر بے خبر رہنا پڑا
دستک سے تھکے ہاتھ

عاصی صحرائی

ہم تو پیغام ولایت لئے بیٹھے ہیں میاں
یعنی بس نام مودت لئے بیٹھے ہیں میاں
دل میں نفرت سے بھرا جتنا ہے دم ختم کریں
نفرتیں احمدی حضرات سے ہم ختم کریں
گردِ محصور دلوں سے بھی جھٹک کر پھینکیں
سبھی ابہام شیاطین کے سر پر پھینکیں
کر رہے ہیں یہ جو دنیا میں وہ کام اچھے ہیں
حسنِ اخلاق میں مرزا کے غلام اچھے ہیں
چل گلے مل کے محبت کے خزینے بانٹیں
بزم دنیا میں سہولت کے قرینے بانٹیں
احمدی دیکھ کر نفرت کی ہوائیں نہ چلا
غامدی سامنے ہو کالی گھٹائیں نہ چلا
اختلافات کو نفرت میں نہ ملبوس کرو
دائرہ کارِ محبت کو نہ مخصوص کرو

عاصی صحرائی

جو روشنی سے محبت جتائے جا رہے ہیں
چراغ دشتِ ہوا میں سجائے جا رہے ہیں
امیرِ شہر کے وعدے تھے جھوٹ کی گٹھڑی
اگر نہیں؟ تو کہاں پر نبھائے جا رہے ہیں
کہاں گئے سبھی سنجیدگی میں ڈوبے لوگ
تماش بین زمانے پہ چھائے جا رہے ہیں
سو قتل کر دو جو سچا ہے اس زمانے میں
شریف لوگ یہی گنگنائے جا رہے ہیں
غضب لعین منافق کمال درجے کے
عوام میں سبھی عزت کمائے جا رہے ہیں
سخن سنبھال کے اولاد کی طرح رکھو
سخن شناس ہمیں یہ بتائے جا رہے ہیں
جو آپ کفر کے پیرائے میں ڈھلے عاصؔی
ہمیں وہ دین و شریعت سکھائے جا رہے ہیں

عاصی صحرائی

لہروں کی سمت بہہ کے کنارہ تلاش کر
قسمت کا کھو گیا جو ستارہ تلاش کر
بیدار ہو یہ سوئی ہوئی قوم دفعتاً
اک انقلابی طرز کا نعرہ تلاش کر
بچ جائے جسم، روح کے ٹکڑے ہزار ہوں
ایسا جہان میں کوئی آرا تلاش کر
اُلفت کے فائدے جو نہیں چاہیے تجھے
نفرت میں پیرہن ہو خسارہ تلاش کر
میری طرح قبائے خرابے میں دفن ہو
افلاک میں کوئی تو ستارہ تلاش کر
میں مان لوں گا تو ہے شناسائی فراق
مجھ سا جہاں میں درد کا مارا تلاش کر

عاصی صحرائی

کیسا پر لطف فسوں کار زمانہ نکلا
گود سے اس کی محبت کا فسانہ نکلا
تازگی آئی ہے بدبخت ہوا خاک ہوئی
تیری انگڑائی سے جادوئی کرشمہ نکلا
تجھ کو دیکھے گا تو سورج بھی یہی سوچے گا
دن کے اوقات میں کیوں چاند دوبارہ نکلا
میں غلط تھا کہ تجھے پا کے مجھے فائدہ ہے
پا لیا تجھ کو مگر پھر بھی خسارہ نکلا
اس طرب شے کی ملاقات سے حیران ہوں میں
دل دریدہ بھی مرا درد کا مارا نکلا

عاصی صحرائی

ترے اذکار سے دل کو منور کر رہا ہوں میں
تو میرے سامنے ہے یہ تصور کر رہا ہوں میں
یہ سارے پھول پھل پودے سبھی تیری نظامت سے
پھلیں پھولیں کھلیں ہم کو ملیں تیری سخاوت سے
میں سوؤں رات کو اور صبح تیرے حکم سے جاگوں
اور اس کے بعد دن بھر پھرتری باتیں بجا لاؤں
خطاؤں سے میں اپنی آپ شرمندہ ہوں اے مالک
تو کر دے درگزر مجھ کو سخی بن کر مرے مالک
ہوا ایسا جسم کی رگ رگ پکارے ہر گھڑی تجھ کو
خدایا کاش بس یہ رحمتیں مل جائیں اب مجھ کو
تری سنت ہے تو کافر کی بھی سنتا ہے ہر فریاد
خدائے پاک میں مسلم ہوں مجھ کو کر دے تو آباد
لکھا اوجِ ثریا پر جو عاصی کے مقدر کو
کروں میں شکر تیرا کے کیا گلزار پتھر کو

شکست۔اختر چیمہ

شکریہ! تیری نوازش کا مگر اے چنچل
قافلے دل کے سر راہ لٹا بیٹھا ہوں
آج آئی تو مرا ساتھ نبھانے کے لیے
جب میں منزل کی تمنا ہی بھلا بیٹھا ہوں
تیرا معیار نظر رفعت آفاق تھا کل
آج کیوں خاک نشیں ہی تجھے یاد آیا ہے؟
میرے دلبر مجھے تم ہو بہ سر و چشم قبول
اتنی تاخیر سے کیوں میرا خیال آیا ہے؟
تو کسی شہر فلک ناز کی شہزادی تھی
تیرے خوابوں کا جو شہزادہ تھا وہ میں تو نہ تھا
چشم انصاف سے ماضی کے دریچے میں تو جھانک

تو نے شدت سے جسے چاہا تھا وہ میں تو نہ تھا
میں ترے عشق میں رسوا سر بازار ہوا
میری ناکام امنگوں کو یوں تشہیر ملی
تو مرے دل میں رہی خواب پریشاں کی طرح
میری نادار محبت کو نہ تعبیر ملی
اپنی تقدیس گنوا کر تو یہاں آئی ہے
ہم سفر اپنی بنا لوں، کبھی ممکن ہی نہیں
قلب صد چاک شفا یاب نہیں ہو سکتا
سونے آنگن کو بسا لوں، کبھی ممکن ہی نہیں
لوٹ لی تیری جفاؤں نے وفا کی بستی
عمر بھر چین کی میں نیند نہیں سو سکتا
گلشن دل میں سدا رہتی نہیں فصل بہار
پیڑ سوکھا ہوا سر سبز نہیں ہوسکتا
میں ابھی محو تماشائے شکست دل ہوں
کیا خبر! نغمہ مسرت کا کبھی گا نہ سکوں
اس طرح تو مری دنیا سے کنارہ کر لے
میں تجھے ڈھونڈنا چاہوں تو کہیں پا نہ سکوں
آپنا انچل مرے قدموں میں ندامت سے نہ رکھ
کوچۂ دل کبھی آباد نہیں ہوسکتا
مہرباں ہو کے مرے زخموں کو تازہ مت کر
اب ترے وصل سے بھی شاد نہیں ہو سکتا

ڈاکٹر فرزانہ فرحتؔ

جانے اس زیست میں آیا ہے یہ کیسا لمحہ
مر رہی ہوں میں ترے ہجر میں لمحہ لمحہ
وہ مری زیست کا حاصل ہے صنم دیکھ ذرا
میں نے جو بھی تیری چاہت میں گذارا لمحہ
اب جو بچھڑا ہے تو رہ رہ کہ خیال آتا ہے
کاش ہم قید ہی کر لیتے وہ جاتا لمحہ
میں نے اب تک وہ نگاہوں میں بسا رکھا ہے
جو مری نیند میں تھا خواب کا جاگا لمحہ
اپنے سپنوں کو حقیقت تو بنا لیتی مگر
لوٹ کر آتا مرے پیار کا بچھڑا لمحہ
اس لئے میرے مقدر نہیں سنورے فرحتؔ
مجھ سے قسمت کا رہا ہاتھ چھڑاتا لمحہ

ساغر صدیقی

ایک وعدہ ہے کسی کا جو وفا ہوتا نہیں
ورنہ ان تاروں بھری راتوں میں کیا ہوتا نہیں
جی میں آتا ہے الٹ دیں ان کے چہرے سے نقاب
حوصلہ کرتے ہیں لیکن حوصلہ ہوتا نہیں
شمع جس کی آبرو پر جان دے دے جھوم کر
وہ پتنگا جل تو جاتا ہے فنا ہوتا نہیں
اب تو مدت سے رہ و رسم نظارہ بند ہے
اب تو ان کا طور پر بھی سامنا ہوتا نہیں
ہر شناور کو نہیں ملتا تلاطم سے خراج
ہر سفینے کا محافظ ناخدا ہوتا نہیں
ہر بھکاری پا نہیں سکتا مقام خواجگی
ہرکس و ناکس کو تیرا غم عطا ہوتا نہیں
ہائے یہ بیگانگی اپنی نہیں مجھ کو خبر
ہائے یہ عالم کہ تو دل سے جدا ہوتا نہیں
بارہا دیکھا ہے ساغرؔ رہ گزار عشق میں
کارواں کے ساتھ اکثر رہنما ہوتا نہیں

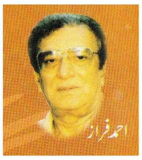

احمد فراز

سنا ہے اس کے لبوں سے گلاب جلتے ہیں
سو ہم بہار پہ الزام دھر کے دیکھتے ہیں
سنا ہے آئنہ تمثال ہے جبیں اس کی
جو سادہ دل ہیں اسے بن سنور کے دیکھتے ہیں
سنا ہے جب سے حمائل ہیں اس کی گردن میں
مزاج اور ہی لعل و گہر کے دیکھتے ہیں
سنا ہے چشم تصور سے دشت امکاں میں
پلنگ زاویے اس کی کمر کے دیکھتے ہیں
سنا ہے اس کے بدن کی تراش ایسی ہے
کہ پھول اپنی قبائیں کتر کے دیکھتے ہیں
وہ سرو قد ہے مگر بے گل مراد نہیں
کہ اس شجر پہ شگوفے ثمر کے دیکھتے ہیں
بس اک نگاہ سے لٹتا ہے قافلہ دل کا
سو رہروان تمنا بھی ڈر کے دیکھتے ہیں
سنا ہے اس کے شبستاں سے متصل ہے بہشت
مکیں ادھر کے بھی جلوے ادھر کے دیکھتے ہیں
رکے تو گردشیں اس کا طواف کرتی ہیں
چلے تو اس کو زمانے ٹھہر کے دیکھتے ہیں
کسے نصیب کہ بے پیرہن اسے دیکھے
کبھی کبھی در و دیوار گھر کے دیکھتے ہیں
کہانیاں ہی سہی سب مبالغے ہی سہی
اگر وہ خواب ہے تعبیر کر کے دیکھتے ہیں
اب اس کے شہر میں ٹھہریں کہ کوچ کر جائیں
فرازؔ آؤ ستارے سفر کے دیکھتے ہیں

جبیں نازاں

غافل رہے ہنوز تری بندگی سے ہم
محروم کیوں نہ ہوں طربِ زندگی سے ہم
روپوش ہو نہ جائیں کسی روز تھک کے ہم
”کب تک نباہیں ایسے غلط آدمی سے ہم“

پھر لے چلو مجھے جہانِ بے خبر میں تم
اب مر نہ جائیں یار! غمِ آگہی سے ہم
جس طرح سانپ دیکھ کے ڈرجاتے لوگ ہیں
سہمے کبھی تو ڈرتے رہے آدمی سے ہم
تم نے کہا وفا کی ہے اک راہ خار دار
حیران ہوگئے اس کم ہمتی سے ہم
غم سے نڈھال ہوگئیں خوشیاں مری تمام
اس درجہ بے رخی اسی بے رخی سے ہم
اب لاکھ دو صدائیں نہیں آئیں گے کبھی
نکلے نہیں نکالے گئے اس گلی سے ہم
رسوا وہ مجھے انجمن میں کر گیا جبیںؔ
اف تک نہ منہ سے کہہ سکے آہستگی سے ہم

شفیق مراد جرمنی

زندگی ہم نے تجھے زیر مسائل رکھا
موم کی گڑیا کو سورج کے مقابل رکھا
مجھ کو اپنی ہی شباہت نظر آئی اُس میں
سامنے اُس نے مرے جب مرا قاتل رکھا
کر دیا مجھ کو خلاؤں میں معلق اُس نے
اُس نے جب مجھ کو مرے مد مقابل رکھا
خود مجھے وقت کے طوفان میں پھینکا اُس نے
ڈوبتے وقت مرے سامنے ساحل رکھا
جس کے پانے کو میں کھاتا رہا جھوٹی قسمیں
سچی چاہت سے بھی اُس نے مجھے غافل رکھا
میں نے سوچوں میں بنائی تیری صورت پہلے
پھر تجھے اپنی ہی سوچوں کے مقابل رکھا
ایک پل شورشِ میخانہ ہستی میں رہے
اور اُسی پل نے تری یاد سے غافل رکھا
ٹوٹ پایا نہیں ہم سے کوئی رشتہ بھی مرادؔ
زخم بھرتے بھی گئے، دل کو بھی گھائل رکھا

امجد مرزا امجدؔ

عاشقِ حُسنِ تاب ہم ہی نہیں
اِک اسیرِ شَباب ہم ہی نہیں
اور بھی درد ہیں زمانے میں
باعثِ اِضطراب ہم ہی نہیں
کچھ خطا آپ کی بھی ہے شامل
صِرف مجرم جناب! ہم ہی نہیں
بات بَرجَستہ تم بھی کرتے ہو
ایک حاضر جواب ہم ہی نہیں
تم بھی اپنا محاسبہ کرو امجدؔ
قابلِ احتساب ہم ہی نہیں

ڈاکٹر طارق انور باجوہ

پیار بڑھتا ہے روٹھ جانے سے
مان جائیں وہ جب منانے سے
مندمل زخم ہوگئے سارے
اُس کے اتنا قریب آنے سے
کیا تھے وہ لفظ، بن گئے مرہم
مٹ گیا درد، مُسکرانے سے
دیکھئے تو خُمار آنکھوں میں
چین پایا ہے ڈوب جانے سے
اُس کو دیکھا تھا ایک بار کہیں
بھول پائے نہیں زمانے سے
گو خیالات ہیں نئے اپنے
آدمی ہیں ذرا پرانے سے
آ گئی جو زباں پہ محفل میں
کب بنی بات پھر بنانے سے
پھیل جاتی ہے چار سُو خوشبو
کیا چھپی ہے بتا، چھپانے سے
سارا عالَم ہوا ہے کب عالم
بات پوچھو کسی سیانے سے
بانٹ کر مسکراہٹیں دیکھو
لطف آتا ہے کیا رُلانے سے؟
جب حقیقت سنی مری بولے
یہ ہے بڑھ کر کسی فسانے سے
زندگی یوں بدل گئی طارقؔ
اب ہے مطلب اُسی کو پانے سے

افتخار راغب قطر

شاخِ باطل پہ پھل رہی ہے ہَوا
رنگِ وحشت بدل رہی ہے ہَوا
بھید کھُلنے میں ہو نہ جائے دیر
مہرباں ہے کہ چھل رہی ہے ہَوا
روح بے چین اور بدن بے فکر
حبس ہے اور چل رہی ہے ہَوا
حوصلے کن کے کوہ قامت ہیں
کن چراغوں سے جل رہی ہے ہَوا
دیکھ موسم بدلنے والا ہے
دیکھ کروٹ بدل رہی ہے ہَوا
لگ رہا ہے کہ روند کر خود کو
خود سے آگے نکل رہی ہے ہَوا
اور کس پر سوار ہے راغبؔ
اور کس کو کچل رہی ہے ہَوا

مدثر عباس

اے خوشی تیرے کئی باب تھے لکھنے والے
جانے کس خوف سے سیراب تھے لکھنے والے
میں نے اُس وقت ترے حُسن کا انکار کیا
جب ترے سحر میں غرقاب تھے لکھنے والے
ایک ترتیب کی ترویج میں بکھرا ورنہ
ذہن مضبوط تھا اعصاب تھے لکھنے والے
میرے کردار کو تاریخ کے پنّوں میں نہ دیکھ
میرے بارے میں بھی احباب تھے لکھنے والے
اولیں بات تھی جو بات نہیں لکھی گئی
ثانوی بات بھی کذاب تھے لکھنے والے
اک طرف خیر کی تاویل ابھی باقی تھی
ایک جانب بڑے بیتاب تھے لکھنے والے
وہ جو آنکھوں کے علاقے میں کبھی آئے نہیں
سچ یہی ہے کہ وہی خواب تھے لکھنے والے
لکھنے والوں کی وہاں بھیڑ لگی رہتی تھی
اور اس بھیڑ میں کمیاب تھے لکھنے والے

عروسہ کی کہانی

ثریا شاہد لاہور پاکستان

(عروس البلاد کراچی کے نام)

عروسہ تھی وہ شہروں کی کراچی نام تھا اس کا
بہت وہ خوبصورت تھی سنورنا کام تھا اس کا
وہ اپنی ذات کے اندر جہاں سارا اٹھا لائی
کسی نے لوٹ لینے کی کسی نے بیچ کھانے کی قسم کھائی!
سلامی دی نہیں اس کو کسی نے بھی نظر اس کی نہیں واری!
کسی نے بند بوری میں کیا اس کو
جلایا بھی کسی نے اسکے چہرے کو
کسی ظالم نے اسکے ہاتھ سے کنگن اتارے تھے
کہ وہ کنگن، سہاگن کی نشانی تھے!
کبھی تاریکی مانند اس کے ماتھے پر چمکتا تھا کوئی جھومر
نہ ماتھے پر رہا جھومر نہ ہاتھوں میں رہے کنگن
نبھائے اس نے سب بندھن! بڑا تھا دل بہت اس کا
غریبوں سے محبت کام تھا اس کا
عروسہ عرفیت تھی اور کراچی نام تھا اس کا!
ارے لوگوں سنو! وہ ہو گئی بیوہ
خدا کا اسرا ہے بس نہیں والی نہیں وارث کوئی اس کا!

عاصی صحرائی

محبت کے حوادث کو میں دل میں سہہ نہیں پایا
مگر پھر بھی تمہیں میرا ٹھکانہ کہہ نہیں پایا
مجھے عمرِ رواں کے دور کو لکھنا تھا کاغذ پر
نجانے کیوں قلم کی نوک سے وہ بہہ نہیں پایا
مجھے وہ دوستوں کی مستیوں کے یاد ہیں سب دور
جہاں جی بھر کے ان کے ساتھ کیوں میں رہ نہیں پایا
جوانی شوخیوں میں تھی مجھے تحریر کرنی ہے
دلِ مجبور کے قرطاس پر تصویر کرنی ہے
مجھے اب اشک محبوبِ گزشتہ پر بہانے ہیں
اداسی خوارگی اس کے وہاں تقدیر کرنی ہے
مجھے فرقت میں دورِ رفتگاں جب یاد آئے گا
اسے خوابیدہ شب کی آنکھ پر زنجیر کرنا ہے
تمہارے ساتھ گزری شام لوٹ آئے گی لیکن کب
لحد میں بام بن جائے گا تو تنہا وہاں ہو جب

غفران کامل

مری دعا سے نمٹ کر کہیں چلے جائیں
اب آپ بات پہ ڈٹ کر کہیں چلے جائیں
بغیر ہاتھ ملائے یہاں کے لوگوں سے
ہوا کے ساتھ لپٹ کر کہیں چلے جائیں
دراصل عکس نہیں ہے خلا کسی کا ہے
خلا کو ڈانٹ ڈپٹ کر کہیں چلے جائیں
وگرنہ یاد امربیل کھا ہی جاتی ہے
مرے خیال سے کٹ کر کہیں چلے جائیں
اسے بھی دھوپ لگے اور جینے لگ جائے
کبھی تو سائے سے چھٹ کر کہیں چلے جائیں
یہاں پہ آنکھ کسی کام کی نہیں رہتی
وفور نور سے ہٹ کر کہیں چلے جائیں
عروج آپ کے ہاتھوں غضب ہوا پہلے
سو اب زوال جھپٹ کر کہیں چلے جائیں
یہاں رہے تو شفایاب ہو بھی سکتے ہیں
دوانگی سے چمٹ کر کہیں چلے جائیں
لباس میں بھی لباس, حیا مناسب ہے
ذرا سا اور سمٹ کر کہیں چلے جائیں
یہاں سے خوف کھلے راستے نہیں دیتا
سو فرد فرد میں بٹ کر کہیں چلے جائیں
زمانے بھر سے مؤقف رہے گا پوشیدہ
اگر ہم ایسے پلٹ کر کہیں چلے جائیں
جہاں بھی جائیں مگر آج دل میں آئی ہے
زمین کو بھی الٹ کر کہیں چلے جائیں

ہر لفظ کتابوں میں تیرا عکس لیے ہے
اِک پھول سا چہرہ ہمیں پڑھنے نہیں دیتا

آفتاب شاہ

جو کتابِ عشق کا باب تھا وہ جلا دیا تو بھلا دیا
وہ جو سات رنگا گلاب تھا وہ ہٹا دیا تو بھلا دیا
مجھے یاد تھا جو کتاب سا جو زبر سے زیر کا پیش تھا
جو سیاق سے تھا سباق تک وہ مٹا دیا تو بھلا دیا
جسے پڑھتے پڑھتے الجھ گئی مری زندگی بھی حساب سی
جو سوال سے تھا جواب تک وہ بتا دیا تو بھلا دیا
جو چھپا تھا میرے وجود میں مرے ہاتھ میں مرے ساتھ میں
جو عروج سے تھا زوال تک جو گھٹا دیا تو بھلا دیا
جو دیا تھا میرے خیال کا جو تھا چاند میرے سرور کا
وہ جو روشنی کا دیا سا تھا جو بجھا دیا تو بھلا دیا
جو نوائے دل کا مقام تھا جو صدائے دل سے تھا آشنا
جو خطا بھی تھا جو عطا بھی تھا وہ سلا دیا تو بھلا دیا
جسے مان تھا کہ مرا ہے وہ جو یہ کہتا تھا کہ ترا ہوں میں
جو غرور سے تھا بھرا ہوا وہ گنوا دیا تو بھلا دیا
وہ جو اجنبی سی منڈیر پر مجھے ملنے آتا تھا دور سے
جو یقین سے تھا بھرا ہوا وہ رلا دیا تو بھلا دیا
جو مثال تھا کسی حور کی جو کمالِ خال میں روپ تھا
جو کمال سے تھا جمال تک وہ جلا دیا تو بھلا دیا
(میری کتاب خونِ جگر سے انتخاب)

آفتاب شاہ

وفائیں بھی ضروری ہیں جفائیں بھی ضروری ہیں
مری جاں عشق میں تیرے سزائیں بھی ضروری ہیں
کبھی پردہ کبھی چلمن کبھی ہے دل لگی کوئی
تڑپنے سے بچھڑنے تک ادائیں بھی ضروری ہیں
پکارو گے بلاؤ گے ہمیں ڈھونڈو گے تم ہر سو
کسی کو پا کے کھونے کی خطائیں بھی ضروری ہیں
بہت بے رنگ لمحوں میں بہت بے کیف ہستی میں
حسیں رنگوں میں ڈوبی کچھ ردائیں بھی ضروری ہیں
چلو اک بار پھر سے ہم محبت اوڑھ لیں خود پر
محبت کی عبادت میں عبائیں بھی ضروری ہیں
محبت مار دیتی ہے یقیں ہم کو بھی ہے لیکن
اسی سر دھڑ کی بازی میں صدائیں بھی ضروری ہیں
تمہارے عشق میں رونا تمہاری یاد میں سونا
محبت کے جہاں میں کچھ عطائیں بھی ضروری ہیں
کٹے جو سر کسی کے پیار میں یہ بھی سعادت ہے
اسی کٹنے سے مرنے تک دعائیں بھی ضروری ہیں
تمہارے دل میں اب بھی کیا آفتاب رہتا ہے
چلو جھوٹا ہی کہہ دو تم بلائیں بھی ضروری ہیں

ڈاکٹر طارق انور باجوہ

فضا میں نور سے لبریز اک چادر سی چھائی ہے
طلسماتی کشش چہرے کی سب کو کھینچ لائی ہے
یہ کون آیا ہے پھیلی ہر طرف میں روشنی دیکھوں
قمر، ظاہر ہوئی ہے جس کی ہر سُو چاندنی دیکھوں
یہ مغرب کے افق پر پانچواں اُترا ستارہ ہے
ہماری خوش نصیبی ہے، یہی رہبر ہمارا ہے
مسیحا کو خدا نے جس جگہ عزّت عطا کی تھی
مسیحا کے خلیفہ نے اسے برکت بھی دینی تھی
خدا کا گھر بنا ہے اب اسی تثلیث کے گھر میں
ملا فتحِ عظیم اس کو ہے نام، ابلیس کے گھر میں
خبر، ڈوئی کی سن کر روح، دل برداشتہ ہو گی
کہ اب صیہون بستی میں اذاں باقاعدہ ہو گی
چڑھا اسلام کا سورج جو پھر اک بار مغرب سے
چلی ٹھنڈی ہوا مشرق کو پھر اک بار مغرب سے
یہاں پیتے ہیں پیاسے معرفت کے جام بھر بھر کے
مبارک صد مبارک عالمِ اسلام کو پھر سے

اطہر حفیظ فراز

خدا کے پیاروں سیاس کی رحمت نہ چھن سکی ہے، نہ چھن سکے گی
ہماری اس سے دلی محبت نہ چھن سکی ہے، نہ چھن سکے گی
اسی خدا نے پرند بھیجے، جو کنکروں کو گرا رہے تھے
خدا تعالی کی خاص نصرت نہ چھن سکی ہے، نہ چھن سکے گی
تمہارے چہرے ڈراؤنے ہیں، تمہارے مقصد گھناؤنے ہیں
مگر ہماری بلند ہمت نہ چھن سکی ہے، نہ چھن سکے گی
اگر گراؤ گے مسجدوں کو، تو کھنڈروں میں پڑھیں نمازیں
خدا کے بندوں سے اس کی قربت نہ چھن سکی ہے، نہ چھن سکے گی
اگر یہ نام و نشاں مٹانے کے فیصلے تم کئے ہوئے ہو
تو جان لو کہ ہماری شہرت نہ چھن سکی ہے، نہ چھن سکے گی
ہمیں نے دنیا میں دین احمد کا نام روشن کیا ہوا ہے
ہماری کوشش، ہماری قسمت نہ چھن سکی ہے، نہ چھن سکے گی
ہمیں نے صبر و قرار سے ہی خدا کی مرضی کو پا لیا ہے
سوا صدی سے ہماری فطرت نہ چھن سکی ہے، نہ چھن سکے گی
تمہیں نے کانٹے بچھا دئے تھے، تمہیں نے پہرے بڑھا دئے تھے
ہمارے سر سے خدا کی نعمت نہ چھن سکی ہے، نہ چھن سکے گی
ہمیں خلافت کی رہبری میں جو لعل موتی ملے ہوئے ہیں
یہ بیش قیمت ہے ایک دولت، نہ چھن سکی ہے، نہ چھن سکے گی
فراز!! ہم نے کئے ہیں وعدے کہ جان تک سب ہی وار دیں گے
ہماری الفت، ہماری چاہت نہ چھن سکی ہے، نہ چھن سکے گی

ساجد محمود رانا

پارا ایں تے تُلدا کیوں نئیں
جے کُکھ ایں تے رُلدا کیوں نئیں
جس نے تینوں مار مکایا
اس ویری نوں بُھلدا کیوں نئیں
خالی کھڑکی جاناں ایں ایویں
بھریا ایں تے ڈُلدا کیوں نئیں
چھوٹ اے اندرو اندر سارا
جے سچ اے تے کُھلدا کیوں نئیں

کسی کی مدد کا اچھا طریقہ

فراز وحید خاں

ایک بجلی کے کھمبے پر ایک کاغذ چپکا دیکھ کر میں قریب چلا گیا اور اس پر لکھی تحریر پڑھنے لگا، لکھا تھا......! برائے کرم ضرور پڑھیں اس راستے پر کل میرا 50 روپیہ کا نوٹ کھو گیا ہے، مجھے ٹھیک سے دکھائی نہیں دیتا جسے بھی ملے برائے کرم پہنچا دے نوازش ہوگی.......!!!

ایڈریس: کرنل۔شیر کلی.... محلہ.... یہ پڑھنے کے بعد مجھے بہت حیرت ہوئی کہ پچاس کا نوٹ کسی کے لیے اتنا ضروری ہے تو اس پتہ پر جانے کا ارادہ کیا اور اس گلی میں اس مکان کے دروازے پر آواز لگائی، ایک ضعیفہ لاٹھی ٹیکتی ہوئی باہر آئی، پوچھنے پر معلوم ہوا بڑی بی اکیلے رھتی ھیں اور کم دکھائی دیتا ہے۔

میں نے کہا " ماں جی آپ کا پچاس کا نوٹ مجھے ملا ہے.....! اسے دینے آیا ہوں یہ سن کر بڑھیا رونے لگی! بیٹا......! ابھی تک قریب قریب 50 لوگ مجھے پچاس کا نوٹ دے گئے ھیں! میں ان پڑھ ہوں ٹھیک سے دکھائی بھی نہیں دیتا، پتا نہیں کون میری اس حالت کو دیکھ کر میری مدد کرنے کے لئے لکھ کر چلا گیا.....!!! بہت اصرار کرنے پر مائی نے پیسے تو رکھ لئے لیکن ایک درخواست کی کہ بیٹا وہ میں نے نہیں لکھا کسی نے میری مدد کی خاطر لکھ دیا ہے جاتے ہوئے اسے پھاڑ کر پھینک دینا بیٹا!! میں نے ہاں کہہ کر ٹال تو دیا لیکن میرے ضمیر نے مجھے سوچنے پر مجبور کر دیا کہ ان سبھی لوگوں سے بڑھیا نے وہ کاغذ پھاڑنے کے لئے کہا ہوگا مگر کسی نے نہیں پھاڑا۔ زندگی میں ہم کتنے صحیح ھیں کتنے غلط یہ صرف دو ہی جانتے ہیں ایک " اللہ تعالیٰ " دوسرا ہمارا " ضمیر "، میرا دل اس شخص کے بارے میں سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ وہ شخص کتنا مخلص ہوگا جس نے بڑھیا کی مدد کا یہ طریقہ تلاش کیا، ضرورت مندوں کی امداد کے کئی طریقے ہیں میں نے اس شخص کو دل سے دعائیں دیں کہ کسی کی مدد کرنے کے کتنے طریقے ہیں صرف مدد کرنے کی نیت ہونی چاہیئے راستہ اور رہنمائی اللہ سبحانہ کی طرف سے ہو جاتی ہے!!! شعور اور احساس بیدار کرنے کے لیے۔

کہاوت ہے خدا کی لاٹھی بے آواز ہوتی ہے

یہ بھی کہاوت ہے قدرت کسی کو معاف نہیں کرتی۔صدیوں کی انسانی دانش یہ بھی ہے وقت کی چکی بہت باریک پیستی ہے اور یہ بھی محاورہ ہے دیر ضرور ہوتی ہے اندھیر نہیں ہوتا۔معروف صحافی ایاز میر کے باپ پر الزام تھا اس نے ایک لڑکی کی عصمت دری کی اور اس لڑکی نے اپنا بدلہ یوں لیا کہ موقع تلاش کر کے اسے قتل کیا اور لاش اس حال میں ملی اسکی چیز کاٹ کر اس کے منہ میں ڈالی ہوئی تھی۔نوے کی دہائی میں ایف سیون کے ایک بنگلہ سے روز رات کو ایک عورت کے چیخنے کی آوازیں آتی تھیں۔اہل محلہ مسلسل پولیس کو رپورٹ کرتے تھے لیکن اس دور میں ایاز میر کا طوطی بولتا تھا اور اپنی بیوی پر ہر روز تشدد کے باوجود پولیس دادرسی نہیں کرتی تھی۔ایاز میر پر ایک کم عمر لڑکی کی عصمت دری کا مقدمہ بھی درج ہوا تھا لیکن ایاز میر اپنے اثر رسوخ سے بچ نکلا۔آج صبح ایاز میر کے بیٹے نے اپنی بیوی سارا کو قتل کر دیا۔صحافت کے معروف نام ضیا شاہد پر الزام تھا اس نے لاہور کے معروف کاروباری علاقہ میں ایک بلڈنگ کرایہ پر لی اور مالک پر توہین رسالت کا الزام لگوا کر گرفتار کرا دیا جو جیل میں قتل ہو گیا۔پھر کیا ہوا؟ ضیا شاہد کا نوجوان، ہونہار اور شاندار بیٹا عدنان شاہد اچانک ہارٹ اٹیک سے انتقال کر گیا اور خود ضیا شاہد مختلف بیماریوں کا شکار ہو کر سسک سسک کر مرا۔ضیا شاہد جو اپنے غرور کی وجہ سے ہمیشہ سر اٹھا کر بات کرتا تھا زندگی کے آخری دس سال اس نے کبڑے ہو کر گزارے کہ کمر کے مہرے کینسر کی وجہ سے جواب دے گئے تھے۔

خوشنود علی خان کے بھائی خلیل ملک کو ایک لڑکی نے قتل کر دیا۔عمران خان کا سابقہ چیف آف سٹاف نعیم الحق ہمیشہ جھوٹ بولتا تھا اور پراپیگنڈہ کرتا تھا اسے ایک خوفناک بیماری لاحق ہو گئی آخری دنوں میں اس کے انتہائی قریبی لوگ بھی اس کے قریب نہیں جاتے تھے اور پھر وہ سسک سسک کر اس حالت میں مر گیا جبکہ عہدہ وفاقی وزیر کا تھا۔عامر لیاقت لوگوں کی عزتیں اچھالتا تھا۔لوگوں پر کفر کے فتوے لگاتا تھا جس طرح مرا اللہ سے ہمیشہ ڈرنا چاہئے۔جنرل عثمانی جنرل مشرف کے مارشل لا کو مسلط کرنے والے کرداروں میں سے ایک تھا۔کراچی کی ایک سڑک پر خستہ حالت میں اسکی کار سے لاش برآمد ہوئی۔جنرل مشرف اس وقت دوبئی کے ایک ہسپتال میں ایک نایاب بیماری کے ہاتھوں لحہ لحہ اپنے انجام کی طرف بڑھ رہا ہے اور اس بیماری کا کوئی علاج بھی نہیں۔جنرل احتشام ضمیر جو جنرل مشرف کے قریبی ساتھیوں میں تھے ریٹائرمنٹ کے بعد گھر میں آگ لگنے سے زندہ جل گئے۔ذوالفقار علی بھٹو کو سزائے موت سنانے والے چیف جسٹس مولوی مشتاق کے جنازے پر شہید کی مکھیوں نے حملہ کر دیا تھا اور لوگ جنازہ سڑک پر چھوڑ کر بھاگ نکلے۔جنرل ضیاالحق آسمانوں میں زندہ جل گیا اور آج فیصل مسجد میں اسکی قبر اس شعر کی عملی تفسیر ہے۔

دیکھو مجھے جو دیدہ عبرت نگاہ ہو قدرت سب سے حساب لیتی ہے کچھ کا حساب کتاب سب کو نظر آجاتا ہے کچھ کا پتہ نہیں چلتا لیکن وہ بحر حال بھگت رہے ہوتے ہیں۔نتیجہ یہ ہے ظلم نہ کریں جواب دینا پڑے گا۔ناانصافی نہ کریں قدرت کی چکی بہت باریک پیستی ہے۔ملک اور قوم سے غداری نہ کریں انجام بہت خوفناک ہوگا۔پیسے لے کر جھوٹ کو سچ نہ بنائیں۔جو لکھیں جو کریں اپنے ضمیر کو جوابدہ بنا کر لکھیں اور کریں۔قدرت سے لڑنے کی طاقت ہے تو جو مرضی کریں اگر قدرت سے نہیں لڑ سکتے تو پھر انسان کے بچوں کی طرح زندگی گزاریں۔ساری زندگی رپورٹنگ کرتے گزر گئی بہت کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور بہت اچھی طرح پتہ ہے کہ عزت، دولت اور طاقت سب کچھ عارضی ہے اور ہر چیز کا حساب کتاب ہوتا ہے۔یہ ممکن ہی نہیں ظلم کریں اور بچ نکلیں ایک دن چکی کے پاٹ میں آنا ہی پڑتا ہے اور وقت بہت تیزی کے ساتھ گزر جاتا ہے۔ (منقول)

آفتاب شاہ

عمل اور لفظ ضروری نہیں ایک دوسرے کا ساتھ دیں بعض لوگوں کے پاس الفاظ کا ذخیرہ عمل کے سمندر کو بھرنے کے لیے کافی ہوتا ہے اور بعض لوگ عمل کے رویے سے الفاظ کا راستہ بدل دینے پر قادر ہوتے ہیں۔حقیقت میں ہر لفظ ہر شخص یا جگہ کے لیے نہیں ہوتا اور ہر عمل ہر مقام کے لیے یکساں نہیں ہوتا۔لفاظی کے جادوگر اپنے حسنِ تخیل سے ایسی سحر کاری کرتے ہیں کہ دنیا اچانک بدل جاتی ہے حقیقت میں الفاظ کا چناؤ اگر بہتر ہو تو عمل کا لطف دوبالا ہو جاتا ہے لیکن اگر صرف الفاظ کا جادو ہی چلتا رہے تو بہت جلد ایسا جادوگر شیخ چلی کے نام سے مشہور ہو جاتا ہے۔ ***

ادیبوں کے لطائف

مرسلہ: زکریا ورک ٹورنٹو

☆۔ جاوید اختر اور شبانہ اعظمی سے ٹیلی ویژن پر انٹرویو چل رہا تھا۔ اینکر نے شبانہ سے سوال کیا کہ کیا جاوید اختر جیسی شاعری کرتے ہیں یہ تو بڑے رومانٹک ہوں گے؟ شبانہ نے جواب دیا رومانس تو انہیں چھو کر بھی نہیں گذرا ہے۔ اینکر نے جاوید کے طرف دیکھا تو بولے جو لوگ سرکس میں کام کرتے ہیں وہ اپنے گھر میں تھوڑا لٹکے ہوئے ملتے ہیں۔

☆۔ ضمیر جعفری نے بشریٰ رحمن کے بارے میں لکھا: اس کا نثر جادہ، جرات، مسرت اور حیرت کے اجزاء سے ترتیب پاتا ہے۔ جرات جیسے چاند بی بی تلوار تانے کھڑی ہو۔ مسرت جیسے کپاس کا کھیت ہنس رہا ہو اور حیرت جیسے گھوڑی نے زیبرا کو جنم دیا ہو۔ مشتاق یوسفی نے بشریٰ کے اعزاز میں منعقدہ تقریب میں کہا: ہم مرشد ضمیر جعفری سے نہ صرف کلی طور پر متفق ہیں بلکہ اتنا اضافہ کریں گے کہ گھوڑی کے ہاں زیبرا پیدا ہونے پر گھوڑی کو تعجب ضرور ہؤا ہوگا لیکن سب سے زیادہ تعجب زیبرے کو ہؤا ہوگا۔ تقریب کے بعد بشریٰ رحمن نے مشتاق یوسفی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے میرے میاں گھوڑا نہیں زیبرہ ہی ہیں وہ تو میں نے ہاتھ پھیر پھیر کر اس کی دھاریاں مٹادی ہیں۔

☆۔ وزیر آغا اور انور سدید غالب سیمینار میں شرکت کے لئے دہلی تشریف لائے۔ سیمینار سے فارغ ہو کر کچھ کتابیں خریدنے اردو بازار گئے۔ وہاں انہوں نے وزیر آغا کی کتاب اردو شاعری میں طنز و مزاح کا ہندوستانی ایڈیشن دیکھا تو خریدنے کی خواہش ظاہر کی۔ دوکاندار کو بتایا اس کتاب کے مصنف وزیر آغا میرے ساتھ کھڑے ہیں۔ دوکاندار نے جواب دیا اگر اس کتاب کے مصنف ہیں تو کتاب کی قیمت کی ادائیگی میں 33 فی صد کمیشن کم کر کے دے دیں۔

☆۔ مشہور ہندوستانی صحافی ایم جے اکبر (مبشر جاوید) صدر پاکستان ضیاء الحق کا انٹرویو لینے کیلئے اسلام آباد پہنچے۔ مختلف سوالات پوچھنے کے بعد اکبر نے کہا ہم مسلمان تو ہیں مگر بھارت میں پیدا ہونے اور پرورش پانے کی وجہ سے اسلامی تعلیمات سے نابلد ہیں۔ آپ تو ماشاء اللہ سچے اور کھرے مسلمان ہیں۔ میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ اسلام میں جھوٹے کی سزا کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا جھوٹا بخشا نہیں جائیگا۔ اکبر نے دوسرا سوال پوچھا: اپنے اس بیان کی روشنی میں آپ کی اپنے بارے میں کیا رائے ہے؟ آپ نوے روز میں انتخاب کروا کر اقتدار منتخب نمائندوں کو دینے کا وعدہ کر کے سات سال سے اقتدار پر بیٹھے ہیں۔ اس پر ضیاء صاحب کو جواب تھا: ہاہاہاہا ...اگلا سوال

☆۔ روس کی ایک کانفرنس میں امرتا پریتم اور ساحر لدھیانوی بھی مدعو تھے۔ دونوں کو ان کے ناموں کے بیج دئے گئے۔ غلطی سے ساحر کا بیج امرتا کو اور امرتا کا بیج ساحر کو مل گیا۔ جب اس غلطی کو درست کرنے کیلئے کہا گیا تو امرتا نے ساحر کے نام کا بیج اتارنے سے منع کر دیا کیونکہ وہ اس کے دل کو چھو رہا تھا۔ ساحر کی وفات کے بعد امرتا نے بے حد دکھ سے کہا: ساحر کے نام کا بیج پہن کر اس نے بڑی غلطی کی تھی کیونکہ اس کا خیال تھا کہ موت اس کیلئے آئی تھی۔ لیکن بیج کی وجہ سے اس نے ساحر کو نشانہ بنا لیا۔

☆۔ شوکت تھانوی زندگی کے آخری دنوں میں ہسپتال میں داخل تھے۔ ڈاکٹروں نے لگ بھگ جواب دے دیا تھا۔ اخلاق احمد دہلوی ان کی عیادت کیلئے ہسپتال پہنچے۔ حال احوال پوچھنے پر شوکت تھانوی نے جواب دیا: میں تو جا رہا ہوں، اخلاق احمد نے پوچھا کہاں؟ شوکت تھانوی نے برجستہ جواب دیا: انڈر گراؤنڈ

☆۔ شیخ سعدی ایک بار کسی قصبے میں پہنچے۔ ایک کتے نے ان پر بھونکنا شروع کر دیا۔ حضرت نے کتے کو بھگانے کیلئے زمین پر سے پتھر اٹھانا چاہا تو محسوس کیا کہ یہ تو زمین میں دھنسا ہؤا ہے۔ اس پر شیخ نے شہر کے باسیوں پر طنز کرتے ہوئے کہا: یہاں کے لوگ بھی عجیب ہیں۔ کتے تو کھلے چھوڑ دیتے ہیں البتہ پتھر کو باندھ کر رکھتے ہیں۔

☆۔ مولانا ظفر علی خاں 1935 میں راولپنڈی کی جامع مسجد میں تقریر کر رہے تھے۔ حاضرین جلسہ میں سے ایک کو حیرت ہوئی کہ اتنے بڑے نامی گرامی انسان اور اتنے چھوٹے قد کے وہ بار بار یہ بات بڑبڑا رہا تھا: ظفر علی اینا وڈا، تے قد اینا چھوٹا۔ اس پر ایک دراز قد پٹھان کو غصہ آ گیا اور وہ بولا: تم خاموشی سے اس کی تقریر سنو، اور قد ہمارا دیکھ لو۔

☆۔ بزم ادب حلیم کان پور کی طرف سے بابائے اردو مولوی عبدالحق کے اعزاز میں ایک دعوت کا اہتمام کیا گیا۔ کھانے کی میز پر الہ آباد یونیورسٹی اور لکھنؤ یونیورسٹی کچھ پروفیسر صاحبان بھی موجود تھے۔ لکھنؤ یونیورسٹی کے ایک پروفیسر نے فخریہ انداز میں کہا: ہمارا اردو کا سٹاف سب یونیورسٹیوں سے بہتر ہے۔ الہٰ آباد یونیورسٹی کے ایک پروفیسر نے بڑ مارتے ہوئے دعویٰ کیا: ہمارا اردو کا سٹاف لکھنؤ یونیورسٹی سے ہزار گنا بہتر ہے۔ تیسرے صاحب نے مولوی عبدالحق سے دریافت کیا: آپ کی کیا رائے ہے؟ انہوں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا: الہٰ آباد یونیورسٹی اردو کا قبرستان ہے اور لکھنؤ یونیورسٹی امام باڑہ۔

☆۔ احمد ندیم قاسمی کی ایک عزیزہ نے اردو ایم اے کا امتحان دیا، پتہ چلا کہ پرچے صوفی غلام مصطفی تبسم کے پاس بھیجے گئے ہیں۔ قاسمی سفارش لئے اس عزیزہ کو ساتھ لے کر صوفی صاحب کے گھر پہنچے۔ سلام دعا کے بعد صوفی صاحب کمرے کے اندر چلے گئے۔ قاسمی کو ان کے برتاؤ پر بہت افسوس ہوا کہ نہ چائے پوچھی نہ آنے کا مقصد سنا اور اٹھ کر چلے گئے۔ اتنے میں صوفی صاحب ایک پرچہ ہاتھ میں لئے باہر آئے اور قاسمی صاحب سے پوچھا کہ فرمایئے۔ اس میں کتنے نمبر دوں۔ قاسمی اس پر بہت حیران ہوئے اور پوچھا آپ کو کیسے پتہ چلا کہ میں اس کام کے سلسلے میں آیا ہوں۔ اس پر صوفی صاحب نے کہا کہ بھئی میرے پاس 32 پرچے آئے تھے او31، اصحاب اس سے پہلے سفارش لے کر آ چکے ہیں۔ ظاہر ہے کہ آپ اس آخری پرچے کے سلسلے میں ہی آئے ہوں گے۔

☆۔ قرۃ العین حیدر سے ایک داڑھی والے نے سوال کیا کہ آپ نے اپنے ناولٹ میں اگلے جنم کی بات کی ہے تو کیا آپ ہندوؤں کے آواگون کے عقیدے پر یقین رکھتی ہیں؟ عینی آپا کی آنکھوں میں شدید غصے کی چمک آئی اور بولیں اگر میں اس عقیدے میں یقین رکھتی ہوں تو آپ میرے خلاف فتویٰ صادر فرمائیں گے کیا؟

☆۔ کرشن چندر نے اپنی کتاب ایک گدھے کی سرگزشت، کنہیا لال کپور کو پیش کی، کپور صاحب نے ایک نظر کتاب کو دیکھا اور داد دیتے ہوئے کرشن چندر سے یوں مخاطب ہوئے: تم نے اچھا کیا، افسانے لکھتے لکھتے اپنی سوانح بھی لکھ دی۔

☆۔ مولانا محمد علی جوہر عربی لباس پہن کر کسی اجلاس میں شریک ہوئے انہیں عربی لباس میں دیکھ کر مدن موہن مالویہ نے طنزیہ انداز میں کہا: او ہو یہ آپ ہیں میں سمجھا بیگم بھوپال تشریف لا رہی ہیں۔ مولانا کب چوکنے والے تھے فوراً جواب دیا، معاف کیجئے مالویہ جی بیگم بھوپال جیسی شیر دل خاتون، اس زنانہ اجلاس میں کب پسند کر سکتی ہیں۔

☆۔ ابتداء ہی سے جامعہ دہلی میں سیکولرازم کی فضا تھی۔ ایک بار ہندوستانی پارلیمنٹ میں ایک ممبر نے سوال کیا کہ جامعہ میں ہندو اور مسلمان طلباء کا کیا تناسب ہے؟ وزارت تعلیم نے جانکاری کیلئے جامعہ کو خط لکھا۔ ان دنوں پروفیسر محمد مجیب شیخ الجامعہ تھے۔ انہوں نے جواب دیا جامعہ میں ہندو اور مسلمان کا داخلہ نہیں دیا جاتا بلکہ صرف طالب علموں کو داخل کیا جاتا ہے۔

☆۔ ایک تقریب میں ایک خوبصورت اور خوش لباس عورت نے مشتاق یوسفی سے کہا: آپ سے ایک کام ہے۔ یوسفی نے کہا: دیباچے اور پیش لفظ کے علاوہ ہر خدمت کیلئے حاضر ہوں۔ خاتون منہ بنا کر کہا: اس کے علاوہ آپ کے پاس ہے کیا۔ اور آگے بڑھ گئی۔

☆۔ سرسید احمد کالج کیلئے چندہ جمع کرتے ہوئے جمعہ کے دن لاہور شاہی مسجد لاہور پہنچے۔ سرسید لوگوں کو مخاطب کرنا چاہتے تھے لیکن نماز کے بعد کوئی ان کی تقریر سننے کیلئے تیار نہ تھا۔ اکثر لوگ ان کے مذہبی خیالات سے متفق نہ تھے۔ ڈپٹی نذیر احمد نے سنا تو سرسید کو مشورہ دیا کہ دیواروں پر اشتہار لگوا دو کہ ایک جغادری مولوی سرسید سے مناظرہ کرنے آ رہا ہے۔ اس لئے سرسید کا انجام دیکھنے کیلئے بہت تعداد میں لوگ اکٹھے ہو گئے۔ نذیر احمد کلام پاک کی تلاوت کرتے ہوئے اور سرسید کو ملامت کرتے ہوئے ان کے عیوب گنوانے لگے۔ اس کے بعد مجمع کو مخاطب کرتے ہوئے کہنے لگے کہ خدا کا حکم ہے اور اس کے رسول کا ارشاد ہے کہ دشمن بھی اپنی بات کہنا چاہے تو سنو اور اس پر غور کرو۔ یہ تمہارے بچوں کیلئے کالج بنا رہا ہے اور تم سے کچھ کہنے علی گڑھ سے یہاں آیا ہے۔ اس کے بعد سرسید نے معرکہ آراء تقریر کی۔ آنکھیں نم اور دل گداز تھے پھر تو ہر طرف سے چندے کی بارش ہونے لگی۔

☆۔ گلوکارہ نور جہاں نے مصنف، ادیب اور کالم نگار حمید اختر سے فیض احمد فیض کی خیریت پوچھی تو حمید اختر نے انہیں بتایا کہ سرکار نے ان کے لکھنے پڑھنے پر پابندی لگا دی ہے۔ وہ بلند آواز میں بولی ہائے یہ کیا؟ یہ تو ایسی

بات ہوئی جیسے کوئی مجھ سے کہے تم گا نہیں سکتی۔

☆۔وزیر آغا کے پی ایچ ڈی کر لینے پر خبر سرگودھا کے پاس جب ان کے گاؤں میں پہنچی تو گاؤں والے آغا جی اور بیگم صاحبہ کو مبارکباد دیتے رہے کہ وزیر آغا ڈاکٹر بن گئے ہیں۔ پی ایچ ڈی ہونے سے پہلے آغا صاحب گاؤں میں سردرد، کھانسی، زکام کی چھوٹی موٹی دوائیاں اپنے پاس گھر میں رکھتے تھے۔ اور گاؤں والوں کو مفت دیا کرتے تھے۔ ایک دن ایک عورت بچے کو گود میں لے کر آئی اور بولی آغا جی اس کو بخار چڑھا ہے کوئی دوائی دے دیں۔ وزیر آغا نے گولیاں نکال کر عورت کو دے دیں کہ اسے بچے کو دے دینا۔ وہ عورت التجا کرنے لگی: نا، نا، آغا جی ہن تسی ڈاکٹر ہو گئے ہو کا کے نوں سوئی لگا دیو۔

☆۔علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں ڈاکٹر آمنہ خاتون میں انشا پر پی ایچ ڈی کے لئے تحقیقی کام کر رہی تھیں۔ پروفیسر رشید احمد صدیقی وہاں صدر شعبہ تھے۔ اسی دوران آمنہ کے یہاں بچے کی ولادت کا وقت قریب آ گیا تو انہوں نے چھٹی کے لئے درخواست دے دی۔ رشید صاحب نے چھٹی لینے کی وجہ دریافت کی تو معلوم ہوا کہ یہ ماں بننے والی ہیں۔ انہوں نے فرمایا: ہم نے تو انہیں تحقیق کیلئے بلایا تھا لیکن انہوں نے تخلیق شروع کر دی۔

☆۔امجد اسلام امجد کا سیریل وارث ٹی وی پر چل رہا تھا۔ اس کے ٹائیٹل سین میں کتے چلتے ہوئے دکھائے جاتے تھے۔ اس کے ساتھ ہی سیریل کے رائٹر کا نام امجد اسلام امجد دکھایا جاتا تھا۔ عطاء الحق قاسمی نے فون پر امجد سے کہا: یار کمال ہے آج تک کسی سیریل والے نے رائیٹر کی تصویر نہیں دکھائی لیکن تمہارے سیریل والے تو رائٹر کی تصویر بھی ساتھ دکھا رہے ہیں۔

☆۔ساحر لدھیانوی سے نریش کمار نے ایک انٹرویو میں سوال کیا، کیا شعر و شراب لازم و ملزوم ہیں؟ ساحر نے جواب دیا ہرگز نہیں۔ شعر کہنے کیلئے نشے کی قطعی ضرورت نہیں۔ بلکہ میں تو کہوں گا نشے کی حالت میں عمدہ شعر کہا ہی نہیں جا سکتا۔ نریش نے دوبارہ سوال کیا آپ پھر شراب کیوں پیتے ہیں؟ میں بوشرٹ بھی پہنتا ہوں حالانکہ شاعر کیلئے ضروری نہیں۔ ساحر نے جواب دیا۔

ہم جنس پرستی قومی عادت ہے — ایم۔پشتون

ہم جنس پرستی کے لیے راہیں ہموار ہوگئیں ٹرانسجینڈر پروٹیکشن آف رائٹس بل اکثریتِ رائے سے پاس ہوگیا۔ اسے پاس کروانے میں ن لیگ پی پی پی اور پی ٹی آئی شامل ہیں۔ کسی ایک سیاسی جماعت کو موردِ الزام ٹھہرانا غلط ہے۔ یہ بل 2017 میں پی ٹی آئی کی ایم این اے ڈاکٹر نوشین حامد نے اسمبلی میں پیش کیا تھا۔ جماعت اسلامی سے تعلق رکھنے والے سینیٹر مشتاق احمد خان نے 15 نومبر 2021 کو ترمیم متعارف کی تھی۔ جس کی شیریں مزاری نے مخالفت کی تھی اور چیرمین سینٹ نے بل کمیٹی کو بھجوا دیا تھا۔ 5 ستمبر 2022 کو سینیٹ کی انسانی حقوق کمیٹی کا اجلاس ہوا تھا جس میں ٹرانس جینڈر ترمیمی بل 2021 پر غور کیا گیا تھا۔ اس موقع پر سینیٹر مشتاق احمد خان نے تجویز پیش کی تھی کہ کوئی جنس تبدیلی کے لیے نادرا کے پاس جائے تو پہلے میڈیکل بورڈ فیصلہ کرے۔ اس قانون پر چند اعتراضات ہیں اس میں اختیار دیا گیا ہے کہ جینڈر تبدیل کی جاسکتی ہے۔ اس لیے 30 ہزار لوگوں نے جینڈر تبدیل کرنے کے لیے نادرا کو درخواست دی۔ اگر کوئی جنس تبدیلی کے لیے نادرا کے پاس جائے تو میڈیکل بورڈ فیصلہ کرے کہ درخواست گزار کی جینڈر کیا ہونی چاہیے۔ مشتاق احمد خان نے کہا کہ اس قانون سے قانونِ وراثت پر اثر پڑ رہا ہے۔ اس پر چیئرمین کمیٹی نے پوچھا کہ جب قانون بن رہا تھا تب اسلامی نظریاتی کونسل سے رائے لی گئی؟ مشتاق احمد خان نے جواب میں کہا کہ اس وقت اسلامی نظریاتی کونسل سے رائے نہیں لی گئی تھی۔ اجلاس میں وزارت انسانی حقوق کی جانب سے ترامیم کی مخالفت کی گئی۔ وزارت انسانی حقوق نے کہا کہ معاملہ عدالت میں ہے اس قانون کو نہ چھیڑا جائے۔ لیکن چھیڑنا تو دور کی بات اسے اکثریتِ رائے سے پاس کر لیا گیا ہے۔ اور پاس کروانے والی پاکستان کی بڑی تین سیاسی پارٹیاں ہیں۔ جو کبھی نہیں چاہتیں کہ پاکستان میں اسلامی قوانین آئیں۔ جمہور ایک دوسرے کو تحفظ دینے کے ساتھ ساتھ لبرلز کو بھی تحفظ دینے کے لیے کوشاں رہتے ہیں۔ اور عوام ان کے اسلامی ٹچ سے متاثر ہوتے ہیں۔

ٹرانس جینڈر رائیکٹ کی تفصیلات الف ـــ میم

(اردو متن) اسے ٹرانس جینڈر پرسنز (پروٹیکشن آف رائیٹس) ایکٹ 2018 کہا جا سکتا ہے۔ اِس کا اطلاق پاکستان میں ہر جگہ ہوگا۔ اِس کا اطلاق فوری ہوگا۔ چیپٹر نمبر ایک: تعاریف (Definitions) تعریف یا ڈیفینیشنز میں ایکٹ برائے جینڈر پروٹیکشن رائیٹس، سی این آئی سی یعنی شناختی کارڈ، کمپلینینٹ یعنی شکایت کُنندہ، سی آر سی مطلب بچوں کا رجسٹریشن فارم یا فارم ب، بی، جینڈر ایکسپریشن کا مطلب کسی شخص کی صنفی شناخت وُہ خود یا دُوسرے کیسے کرتے ہیں، جینڈر آئیڈینٹیٹی یعنی صنفی شناخت کا مطلب کہ وہ شخص اندر سے خُود کو کیسا محسوس کرتا ہے، بطور مرد، عورت، کُچھ کُچھ دونوں یا کُچھ بھی نہیں۔ یہ شناخت پیدائش کے وقت دی گئی صنفی شناخت سے مُطابقت رکھ سکتی ہے اور نہیں بھی رکھ سکتی۔ اِس کے بعد گورنمنٹ یعنی حکومت سے مُراد وفاقی حکومت ہے۔ ہراسمنٹ سے مُراد یا ہراسمنٹ میں جنسی، جِسمانی، ذہنی اور نفسیاتی ہراسمنٹ مُراد ہے جِس کا مطلب یہ ہے کہ سیکس کے لیے متشدد رویے، دباؤ، ناپسندیدہ سیکشوئل ایڈوائس، دعوت دینا وغیرہ سمیت ایسے تمام رویے جو اِس ضِمن میں آتے ہیں وہ ہراسمنٹ کہلائے جائیں گے۔ نادرا کا مطلب شِناختی کارڈ و اعداد و شمار کی رجسٹریشن کا اِدارہ ہے۔ نوٹیفیکیشن جو گزٹ میں پبلش ہُوا ہو۔ پی ڈی ایم سی یعنی پاکستان میڈیکل این ڈینٹل ایسوسی ایشن، پی ڈی ایم سی آرڈیننس 1962۔ پرسکرائبڈ مطلب وفاقی حکومت نے جو قوانین اِس ایکٹ میں بنائے پاس کیے ہیں۔ رُولز مطلب جو قوانین اِس میں شامِل ہیں۔

ٹرانس جینڈر پرسن مطلب۔ درمیانی جنس (خنسہ) مردانہ و زنانہ جنسی اعضا کے ساتھ یا پیدائشی جنسی ابہام، خواجہ سرا ایسا میل چائلڈ جو بوقت پیدائش میل درج کیا گیا ہو لیکن جنسی طور پرنا کارہ، خصی ہوگیا ہو، ایک ٹرانس جینڈر مرد یا عورت جِس کی صنفی، جنسی شِناخت یا شِناخت کا اِظہار معاشرے کی عُمومی اقدار سے ہٹ کر ہو یا اُس صنفی شناخت سے ہٹ کر ہو جو اُنھیں بوقتِ پیدائش دِی گئی تھی۔ کوئی ایسا لفظ یا الفاظ جِس کی تعریف اِس ایکٹ میں نہیں کی گئی یا لِکھی گئی اُس کا مطلب وُہی لِیا جائے گا جو سی آر پی سی (ضابطہ فوجداری 1898) یا پی پی سی (1860) تعزیراتِ پاکستان میں درج ہے۔

- ایک ٹرانس جینڈر کو اپنی جنسی، صنفی شِناخت اُس شِناخت کے مُطابق درج کروانے کا حق ہوگا جو صنفی، جنسی شِناخت وُہ خُود کو تصور کرتا ہے۔

- ایک ٹرانس جینڈر اپنے آپ کو سب سیکشن وَن کے تحت اپنی تصور کردہ شِناخت یعنی self perceived identity کے مُطابق تمام نادرا یا دیگر حکومتی اِداروں میں درج کروا سکتا ہے۔

- ہر ٹرانس جینڈر اپنے آپ کو نادرا آرڈیننس 2000 یا دیگر متعلقہ قوانین کے مُطابق اٹھارہ سال کی عُمر ہونے پر سیلف پرسیوڈ جینڈر آئیڈینٹیٹی کے مُطابق شِناختی کارڈ، پاسپورٹ یا ڈرائیونگ لائسنس بنوا سکتا ہے۔

- ایک ٹرانس جینڈر جس کا شناختی کارڈ پہلے ہی بن چُکا ہے وہ بھی نادرا آرڈیننس 2000 کے مُطابق his or her سیلف پرسیوڈ آئیڈینٹٹی کو اپنے شناختی کارڈ، پاسپورٹ یا ڈرائیونگ لائسنس پر درج کروا سکتا ہے۔

- تعلیمی، صحت یا دیگر اِداروں میں تعلیم یا سروسز سے منع کرنا، ختم کروانا، نااِنصافی پر مبنی رویہ، نوکری کرنے پر مجبور کرنا یا چھوڑنے سے زبردستی روکنا یا امتیازی سلوک منع ہے، غیر قانونی ہے۔ جو عوامی سہولیات ہیں، جو عوام کو دستیاب ہیں اُن سے روکنا، اُن کے استعمال سے روکنا، سفری سہولیات سے روکنا، عوامی سفری سہولیات استعمال کرنے سے منع کرنا، رہائش اختیار کرنے سے روکنا، جائیداد کی خرید و فروخت، کرایے پر عمارت لینے یا وراثتی منقولہ و غیر منقولہ جائیداد سے محروم کرنے یا حق سے انکار کرنا بالکل غیر قانونی ہوگا۔ اُنھیں جنسی، جِسمانی طور پر گھر یا گھر سے باہر ہراساں کرنا بھی منع ہے۔

- برائے حکومتی فرائض و ذمہ داریاں: حکومت کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ وُہ ٹرانس جینڈرز کی معاشرے اور سماج میں مکمل اور محفوظ شمولیت کو مُمکن بنائے۔ اِن کے لیے ری ہیب سینٹرز سمیت دیگر پناہ گاہیں بنائے، میڈیکل سہولیات مُہیا کرے، نفسیاتی علاج و مدد سمیت تعلیم بالغاں کا بندوبست کرے۔ ٹرانس جینڈرز جو جَرائم میں ملوث ہوں ان کے لیے الگ

جیل خانہ جات، حوالہ جات وحوالات بنائے جائیں۔ تمام اِدارے جیسے کہ صحت کا اِدارہ یا دیگر اِداروں میں ٹرانس جینڈر رایشیو کے لیے وقتاً فوقتاً آگاہی دِی جائے۔

اِنھیں ووکیشنل ٹریننگ دِی جائے تا کہ یہ اپنی روزی روٹی کا اِنتظام کر سکیں۔ اِنھیں آسان قرضے یا امداد دے کر چھوٹے کاروبار کرنے پر تیار کیا جائے۔ اِن تمام معاملات کو مکمل کرنا ہی اِس ایکٹ کا مقصد ہے۔

❁- ٹرانس جینڈرز کے حقوق کا تحفظ

❁- وراثتی جائیداد یا وراثت سے بے دخل نہیں کیا جا سکتا یا امتیازی سلوک نہیں روا رکھا جا سکتا۔ جو شناخت یہ اپنے آئی ڈی کارڈ پر درج کروائیں گے اُس کے مُطابق وراثتی حق مِلے گا۔ بطورِ مَرد اندراج والے کو مَرد کا اور بطور عورت اندراج کو بطور عورت وراثتی حق مِلے گا۔ جو اپنی مردانہ یا زنانہ شِناخت بارے ابہام کا شکار ہیں اُن پر درج ذیل اطلاق ہوگا۔

اٹھارہ سال کی عمر ہونے پر جِن کا اندراج بطور مَرد ہے، ہوگا اُنھیں بطور مَرد جب کہ بطور عورت اندراج ہونے پر بطور عورت وراثتی حق مِلے گا، دِیا جائے گا لیکن پھر بھی اگر کِسی کو صِنفی ابہام ہوگا تو دو الگ الگ اشخاص یعنی مرد اور عورت کے وراثتی حقوق کا اوسط، ایوریج حِصہ دِیا جائے گا۔ اٹھارہ سال سے کم عُمر یعنی نا بالغ ہونے کی صُورت میں میڈیکل آفیسر کی رائے کے مُطابق طے ہوگا۔

❁- حقِ تعلیم: اگر کوئی ٹرانس جینڈر کِسی سرکاری یا پرائیویٹ تعلیمی اِدارے کی باقی شرائط پر پُورا اُترتا ہے تو اُس کو تعلیم کے حق سے محروم نہیں رکھا جا سکتا یا امتیازی سلوک نہیں کیا جا سکتا۔ اُنھیں تفریحی سہولیات یا کھیلوں میں شمولیت سے منع نہیں کیا جا سکتا۔

حکومت اِسلامی جمہوریہ پاکستان کے اُنّیس سو تہتر کے آئین کے آرٹیکل پچیس اے کے مُطابق ٹرانس جینڈرز کو لازمی اور فری تعلیم کی ضمانت دینے اور سہولیات مُہیا کرنے کے اقدامات کرے گی۔ جنسی و صنفی امتیاز پر مبنی رویے غیر قانونی ہوں گے۔ اُنھیں اِس بنیاد پر تعلیمی اِداروں میں داخلہ دینے سے منع کرنا، روکنا یا کِسی ٹریننگ پروگرام میں حِصہ لینے سے روکنا یا کِسی سہولت کو اِستعمال کرنے سے روکنا غیر قانونی ہوگا

❁- نوکری کا حق: اِسلامی جمہوریہ پاکستان کے اُنّیس سو تہتر کے آئین کا آرٹیکل اٹھارہ جواِن کے لیے جائز ذریعہ آمدنی، کاروبار یا نوکری کی ضمانت دیتا ہے اُس کا اطلاق کروایا جائے۔ کوئی بھی اِدارہ، محکمہ یا تنظیم نوکری، ترقی، تقرری، تبادلے یا متعلقہ معاملات میں امتیازی سلوک نہیں کر سکتا۔ جنسی یا صنفی بنیادوں پر امتیازی سلوک غیر قانونی ہوگا۔ اِس بنیاد پر نوکری دینے یا پیشکش کرنے، اُن کی کِسی جگہ آمد ورفت یا پیش رفت، ترقی، ٹریننگ یا ایسے ہی فوائد کے حصول سے روکنا یا محدود کرنا غیر قانونی ہوگا۔ امتیازی سلوک برائے برخاستگی وغیرہ بھی غیر قانُونی ہوگا۔

❁- ووٹنگ کا حق۔ کِسی ٹرانس جینڈر کو ووٹ کے حق سے محروم نہیں کیا جا سکتا وہ بمطابق اپنے شناختی کارڈ ووٹ ڈال سکتا ہے۔

❁- رائیٹ ٹُو ہولڈ پبلک آفس۔ عوامی عہدے کے اگر کوئی الیکشن میں حِصہ لینا چاہے تو اُسے نہیں روکا جا سکتا۔

❁- صحت کا حق۔ حکومت کو چاہیے کہ وہ میڈیکل نصاب کا دوبارہ جائزہ لے، جو ریسرچ ڈاکٹرز اور نرسنگ سٹاف کو ٹرانس جینڈرز کی صحت کے مسائل بارے ہے اُس کو مزید بہتر کیا جائے۔ اِن کو ہسپتالوں اور دیگر صحت کے مراکز پر سہولیات فراہم کی جائیں۔ اِن کو جِسمانی ونفسیاتی علاج، معالجے یا مددکی فراہمی کی ہر ممکن کوشش کی جائے۔ جِنس کے تعین یا correction میں مدد دِی جائے۔

❁- اکٹھے ہونے کا حق۔ بمطابق اُنّیس سو تہتر کے آئین کے آرٹیکل نمبر سولہ کے تحت دِیا جائے۔ حفاظت کا معقول بندوبست کیا جائے۔ امتیازی سلوک نہ کیا جائے۔

❁- پبلک پلیسز میں داخلے کی سہولت۔۔ اِس کے مُطابق ٹرانس جینڈرز کو پبلک پلیس میں داخلے، سہولیات کے استعمال سے جنسی یا صنفی وجوہات پر روکا نہیں جا سکتا، امتیازی سلوک کا نشانہ نہیں بنایا جا سکتا۔ اِن کو روکنا یا امتیازی سلوک آئین کے آرٹیکل چھبیس کی خِلاف ورزی ہوگا۔

❁- جائیداد کا حق۔ جائیداد کی خرید وفروخت، لیزنگ یا کرائے پر حصول سے بوجہ جِنس/صنف روکا نہیں جا سکتا۔ یہ غیر قانونی ہے۔

❁- بنیادی حقوق کی ضمانت۔ آئین میں دیے گئے تمام بُنیادی حقوق کی ضمانت دِی جائے۔ یہ حکومتی ذمہ داری ہے کہ وہ کِسی بھی قِسم کے امتیازی سلوک سے روک تھام اور بچنے کے اقدامات کرے۔

❁- جرائم اور سزائیں... جو بھی ٹرانس جینڈرز کو بھیک مانگنے پر رکھتا یا مجبور کرے گا اُس کو چھ ماہ تک کی جیل کی سزا یا پچاس ہزار روپے جرمانہ یا دونوں سزائیں دی جاسکتی ہیں

❁- اینفورسمینٹ میکنزم: آئینِ پاکستان، تعزیراتِ پاکستان اور ضابطہ فوجداری میں درج ودستیاب "remedies" کے ساتھ ساتھ متاثرہ ٹرانس جینڈر کو اگر کسی جگہ اُن حقوق سے محروم رکھا گیا یا جائے گا جو اُنھیں آئین دیتا ہے تو اُسے وفاقی محتسب، نیشنل کمیشن فار سٹیٹس آف ویمن یا نیشنل کمیشن آف ہیومن رائٹس کو درخواست دینے کا حق حاصل ہوگا۔

❁- 19- متفرق 19: Act having over-riding effect to any other law: اِس ایکٹ میں موجود پروژنز پہلے سے موجود قوانین سے متصادم ہونے کی صورت میں اُن پر بالا تصور ہوں گی یعنی اِن کی روشنی میں مزید معاملات برائے ٹرانس جینڈر دیکھے جائیں گے۔

❁- حکومتی اختیار۔ میں یہ شامل ہے وہ رولز بنائے، نوٹیفیکیشن جاری کرے یا اس ایکٹ کے عمل درآمد کے لیے قوانین بنائے۔

❁- حکومت کے پاس اختیار اور طاقت ہے کہ اگر اس کے عمل درآمد میں کوئی مسائل یا مشکلات ہیں تو ایسے احکامات جاری کرے یا سرکاری گزٹ میں پبلش کرے۔ مسائل کو سامنے لاکر انھیں حل کرے تاکہ جلد از جلد رکاوٹ یا مشکل کو دُور کیا جاسکے۔ یہ سب دوسال کے اندر کیا جائے گا۔

❁- Statement of Objects and Reasons

ٹرانس جینڈرز کی کمیونٹی کو سماجی بے دخلی اور امتیازی سلوک کے مسائل ہیں۔ تعلیمی سہولیات کی کم یابی، بے روزگاری، صحت کی سہولیات کی کمی اور اِسی طرح کے متعدد مسائل دَرپیش ہیں۔ سپریم کورٹ آف پاکستان نے دوہزار نو میں ایک رولنگ پاس کی تھی کہ خواجہ سراؤں کو اُن کے بُنیادی حقوق سے کوئی قانون محروم نہیں رکھ سکتا۔ پاکستان کے آئین کے آرٹیکل چھبیس اور ستائیس کی شق نمبر ایک کے تحت تمام شہری قانون کی نظر میں مساوی ہیں۔ آرٹیکل اُنّیس آزادی رائے کی آزادی ہر شہری کو دیتا ہے لیکن پھر بھی ٹرانس جینڈرز کو امتیازی سلوک کا نشانہ بنایا جاتا ہے اور مظالم ڈھائے جاتے ہیں۔ ٹرانس جینڈر پرسنز پروٹیکشن (پروٹیکشن آف رائیٹس) بل، دو ہزار سترہ: ٹرانس جینڈر کو ڈیفائن کرتا ہے۔

امتیازی سلوک سے روکتا ہے اُسے شناخت کا حق، حقوق دیتا ہے، جو وہ خود کو کہتا یا مانتا ہے اُسے وہی شناخت دینے کی ضمانت دیتا ہے۔ کوئی اِدارہ اُسے نوکری، ترقی، تعلیم یا دیگر معاملات میں امتیازی سلوک کا نِشانہ نہ بنائے۔ حکومت کو چاہیے کہ وُہ اِن کی فلاح کے لیے اقدامات کرے۔ یہ بل مندرجہ بالا گُزارشات کے حصول کے لیے ہے۔

یہ معاشرہ اخلاقی پستی کا شکار ہو چکا ہے

اے آر خان

ایک گاؤں میں ڈاکو داخل ہوئے اور وہاں کی تمام عورتوں کی عصمت دری کردی.... مگر ایک خاتون ایسی تھی جب اس کے گھر میں ڈاکو داخل ہوا تو اس نے اس ڈاکو کو قتل کر دیا اور سر کاٹ دیا... واردات کے بعد جب تمام ڈاکو اس گاؤں سے چلے گئے تو تمام عورتیں اپنے پھٹے ہوئے کپڑوں سمیت گھروں سے نکل آئیں اور روتے ہوئے ایک دوسرے کو روداد بیان کرنے لگیں.... اتنے میں وہ بہادر خاتون اپنے گھر سے باہر نکلی عورتوں نے دیکھا کہ اس کے گھر میں داخل ہونے والے ڈاکو کا سر اس نے ہاتھوں میں اٹھا رکھا ہے اور نہایت غیرت وخودداری کے ساتھ وہ ان کی طرف آنے لگی... اس خاتون نے بلند آواز سے کہا کہ کیا تم نے سوچ لیا تھا کہ وہ مجھے مارے بغیر میری عزت تار تار کرسکتا تھا....؟ گاؤں کی عورتوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور فیصلہ کیا کہ اسے قتل کر دیا جائے تاکہ ان کی عزت بچی رہے اور ان کے شوہر کام سے واپس آنے پر ان سے یہ نہ پوچھیں کہ تم نے اس کی طرح مزاحمت کیوں نہیں کی پھر انہوں نے اس بہادر خاتون پر حملہ کرکے اسے قتل کر دیا۔ انہوں نے ذلت کو زندہ رکھنے کے لئے عزت کا قتل کر دیا یہی حال آج ہمارے معاشرے کے چور، حرام خور، جھوٹے اور کرپٹ لوگوں کا ہے وہ ہر عزت دار خوددار شخص کو مارتے ہیں۔ غریب اور سفید پوش کو حقیر جانتے ہیں اور استحصال کرتے ہیں تاکہ وہ ان کی کرپشن، جھوٹ، چوری اور حرام خوری کے خلاف بات نہ کرسکیں۔ اصل میں یہ لوگ اپنی عزتیں گنوا چکے ہیں اور عزت داروں کا جینا حرام کر رکھا ہے۔ ایماندار سرکاری ملازم ہو تو کھڈے لائن تاجر ہو تو دیوالیہ، عزت دار ہو تو کردار کشی.... آپ جب کہیں ایسے لوگ دیکھیں جو چور، جھوٹے، حرام خور، کرپٹ کا ساتھ دے رہے ہیں تو سمجھ جائیں کہ یہ انہیں عورتوں کی اولاد سے ہیں جنہوں نے اپنی ذلت چھپانے کے لئے عزت کو قتل کر دیا تھا۔

***

جستہ جستہ

عطاء القادر طاہر

ایک معلوماتی تحریر قندیل ادب کے قارئین کے لئے نامور سائنسدان اورمشہور کالم نگار ڈاکٹر عبدالقدیر خان اپنے ایک کالم میں لکھتے ہیں: میں دوبار مصر گیا اور قاہرہ میں دونوں بار اہرام مصر کی سیر کی۔ پہلی مرتبہ ہم مصری حکومت کی دعوت پر چند ساتھی گئے تھے اور بعد میں اپنی فیملی کے ساتھ سفیرِ پاکستان اَنور کمال کی دعوت پر گیا تھا۔ اہرام مصر کی تعمیر میں اس قدر سائنسی راز پوشیدہ ہیں کہ میں نے چاہا کہ آپ کو ان سے آگاہ کروں۔ آپ پڑھ کر یقین نہیں کریں گے مگر یہ حقیقت پر مبنی حقائق ہیں۔ پڑھیے۔

(۱) جو پتھر اہرام کی تعمیر میں لگائے گئے ہیں ان کا وزن 2 سے 15 ٹن تک ہے۔ (۲) اہرام میں تقریباً 30 لاکھ پتھر لگائے گئے ہیں۔

(۳) فرعون کے کمرے کی چھت پر جو پتھر لگا ہے اس کا وزن 70 ٹن ہے یعنی 70 ہزار کلوگرام اور آج تک کوئی یہ حل پیش نہیں کرسکا کہ کس طرح بنانے والوں نے اتنا بڑا اور وزنی پتھر چھت پر لگایا۔

(۴) اِہرام کی بلندی 149.4 میٹر ہے اور آپ کو تعجب ہوگا کہ زمین اور سورج کے درمیان 149.4 ملین کلومیٹر کا فاصلہ ہی ہے۔

(۵) اہرام کے اندر جانے کا راستہ ایک ستارہ یعنی شمالی پول کی سمت بتلاتا ہے اور اندرونی راستہ سگ ستارہ (Sirius Star) کی جانب اشارہ کرتا ہے (جس کا ذکر سورۃ نجم آیت 49 میں آیا ہے۔

(۶) اگر آپ گوشت کا تازہ ٹکڑا اہرام کے کمرے میں رکھیں گے تو وہ سڑے گا نہیں بلکہ خشک ہوجائے گا، یہ راز آج تک راز ہی ہے۔

(۷) اہرام کے سرکم فرینس (محیط) کو اگر اس کی اونچائی سے تقسیم کیا جائے تو یہ 3.14 کے برابر ہے جو ریاضی اور فزکس میں پائی کے طور پر استعمال ہوتا ہے یعنی اگر کسی دائرے کے محیط کو اس کے قطر سے تقسیم کریں تو یہ عدد ملتا ہے۔ ناقابل یقین کرشمہ ہے۔

(۸) رات کے وقت اہرام چمکتا ہے کیونکہ اس پر برقی رنگ کی پالش کی گئی ہے جس طرح بعض گھڑیوں کا ڈائل رات کو چمکتا ہے کیونکہ اس کی سوئیوں اور نمبروں پر تابکار دھات ریڈیم کے رنگ کی پالش ہوتی ہے۔

(۹) تینوں اہراموں کی لائن، آسمان میں چمکنے والے ستاروں (Belt of Orinion) کے متوازی (Parallel) ہے۔

(۱۰) سال میں ایک دن سورج کی شعائیں اہرام کے اندر داخل ہوتی ہیں، یہ دن فرعون کا یومِ پیدائش ہے۔

(۱۱) اہرام میں رکھی تلواریں اور چھریاں زنگ آلود نہیں ہوتیں حالانکہ ہزاروں برسوں سے وہ وہاں موجود ہیں اور سائنسدان آج تک اس راز کو نہیں سمجھ سکے۔ (۱۲) اہرام کے چند کمروں میں، بہت سے آلات بند ہوجاتے ہیں اور سائنسدان آج تک یہ راز حل نہیں کرسکے۔

(۱۳) تعجب کی بات ہے (اور راز ہے) کہ تینوں اہراموں سے جو لکیر گزرتی ہے، وہ بحر اوقیانوس میں واقع برمودا ٹرائی اینگل اور بحر الکاہل میں واقع فارموسا ٹرائی اینگل کو آپس میں ملاتی ہے۔ یہ دونوں جگہیں اپنی عجیب خصوصیات کی وجہ سے بہت مشہور ہیں۔ یہاں ہوائی جہاز، بحری جہاز، غائب ہوجاتے ہیں اور کمپاس کام کرنا بند کردیتے ہیں۔

(۱۴) بڑے اہرام میں 3 کمرے ہیں۔ دو زمین سے اوپر ہیں اور ایک زمین کے اندر اور کہا جاتا ہے کہ Mirabo نامی شخص، ماہر انجینئر، نے یہ اہرام تقریباً 20 برسوں میں بنایا تھا اور ایک لاکھ مزدوروں نے اس کی تعمیر میں جان کھوئی تھی۔

(۱۵) اہرام کی بنیاد کے چاروں رُخ نہایت تعجب کے ساتھ زمین کی چاروں سمتوں کی جانب اشارہ کرتے ہیں اور اس حیرت انگیز دریافت کی مدد سے بیسویں صدی عیسوی میں اپنے نتائج کو درست کیا جاتا تھا۔

(۱۶) جو دائرہ (Orbit) اہرام کو دو حصوں میں تقسیم کرتا ہے وہ تمام براعظموں اور سمندروں کو بالکل برابر دو حصوں میں تقسیم کرتا ہے، ان کا رقبہ ایک دوسرے سے برابر ہے۔

(۱۷) اگر بلیڈز وہاں رکھ دیئے جائیں تو وہ نہایت تیز تلواروں میں تبدیل ہوجاتے ہیں۔ سائنسدان یہ راز بھی حل نہیں کرسکے۔

(۱۸) سائنسدان کہتے ہیں جو باتیں آج تک پرانی چیزوں اور رازوں سے ملی ہیں وہ سمندر میں قطرے کے برابر ہیں۔

(۱۹) ایک امریکی پروفیسر نے یہ تمام راز بتاتے ہوئے کہا کہ یہ راز اس بات کے شاہد ہیں کہ یہ کسی بیرونی، آسمانی مخلوق کی کارکردگی ہے، زمینی مخلوق اتنی عقل وفہم نہیں رکھتی تھی یا رکھ سکتی ہے۔ (الحمدللہ! تمام تعریف اس خالق مطلق کے لئے ہے)

آفتاب شاہ

زبان کی کڑواہٹ شہد میں ڈوبے دلوں کو بھی بے مزہ کر دیتی ہے۔
الفاظ کا چناؤ انسان کی شخصیت کو عیاں کرتا ہے۔ ہر مجلس اپنے اپنے قواعد وضوابط کے تحت چلتی ہے اس لیے انسان وہی اچھا ہے جو زبان کے ہنر کو آزمانا جانتا ہو جو ماں باپ کے سامنے شیریں الفاظ کی چاشنی پیش کرے۔ اساتذہ کو ادب کا جام پلائے۔ دوستوں میں کاٹ اور خوشی کے الفاظ کا جادو جگائے۔ بہن بھائیوں سے ملائم اور شفقت بھرے لہجے میں بات کرے۔ اور خود کو معاشرے میں اس طرح پیش کرے کہ الفاظ ہاتھ باندھ کر سامنے کھڑے ہو جائیں لیکن یہ الفاظ دل میں اترنے کے لیے ہوں نہ کہ دل کو توڑنے کے لیے۔

محبت کا پرندہ اپنے من پسند پھول کا شیدائی ہوتا ہے۔ ہزاروں پھول موجود ہوتے ہیں لیکن وہ اسی کی خوشبو سے اپنے دل کو معطر کرنا چاہتا ہے جو خوشبو اس کی روح میں اتر چکی ہوتی ہے۔ اس خوشبو کا رنگ ہمیشہ دل کی دنیا کو ایک ہی شخص وابستہ رکھنے کا ہنر جانتا ہے۔ اسی لیے پوری کائنات بھی اگر قدموں میں ڈھیر کر دی جائے پھر بھی ایک شخص کی آرزو دنیا کی تمام نعمتوں پر بھاری پڑ جاتی ہے۔ دل کا پنچھی بعض اوقات اڑنا چاہتا ہے لیکن اسی ڈال پر بیٹھ کر جان دے دیتا ہے جس کی آس اسے جینا سکھاتی ہے۔ محبت حاصل سے لاحاصل کے مابین وہ تعلق ہے جو ہر فرد کو ایک الگ تجربے سے روشناس کرواتا ہے۔ اسی لیے درد اور جذبے کی شدت ہر فرد کی ایک جیسی نہیں ہوتی۔

❁- ہماری قوم حل کی بجائے باتوں کا پرچار خوب کرتی ہے۔ اور باتوں میں ہم سے جیتنا شاید ہی کسی کو آتا ہو۔ داستانوں کے ایسے شوقین ہیں کہ سچائی کو کہانی اور داستان کو سچ بنانے کا ہنر جانتے ہیں۔ پرانے واقعات کو سنا کر دادِ آفرین دینے کا ہنر ہم سے زیادہ شاید ہی کسی کے حصے میں آیا ہو۔ لاحاصل بحث میں ہم سے کوئی گورا یا کالا جیت کر دکھائے تو جانیں۔ لیکن کوئی ہم سے ایجادات کی بات کرے یا ترقی کی علم کی سائنس کی تو ہمیں یاد آتا ہے ترقی تو ہمارے آباؤ اجداد نے کی تھی ہائے اب ان جیسے تو ہونے سے رہے۔ یہاں بھی ہم باتوں سے سائنس، علم، جدت اور ترقی کو شکست دے جاتے ہیں۔

❁- جہالت کے اندھیرے دور کرنے والی ہستی کو سلام، ماں کے قدموں تلے جنت رکھنے والی ہستی کو سلام، شرم وحیا کا پیکر بہن، مرد کی عزت بیوی اور آنکھ کی تارہ بیٹی کا اعزاز بخشنے والی ہستی کو سلام، غلامی کی زنجیروں کو توڑ کر انسانیت کا اعلیٰ معیار دینیوالی عظیم ہستی کو سلام، محسنِ انسانیت کو سلام، رحمۃ للعالمین کو سلام، آقا دو جہان کو سلام، تہذیب وتمدن کو مؤدب کرنے والی عالمگیر ہستی کو سلام، کردار کے امین کو سلام، سچائی کے نگہبان کو سلام، صفاتِ خداوندی سے آشنا کو سلام، رحم اور انصاف کے حقیقی عکس کو سلام، انسان کو نیابتِ الٰہی کا مقام بتانے اور حقیقی ایمان کا درس دینے والے نبیؐ پر سلام۔

❁- ڈر اور خوف کبھی بھی محبت کو جنم نہیں دیتے۔ پھر یہ کس طرح ممکن ہے کہ تمام عمر لوگوں کو خدا کا ڈر اور خوف بتا بتا کر محبت پیدا کی جا سکے۔ محبت انسان کو محبوب کے قریب تر کر دیتی ہیں۔ محبوب کی بات حتمی اور دل کے لیے حرفِ آخر قرار پاتی ہے۔ محبوب کا لفظ حکم اور عمل کی شکل اختیار کر جاتا ہے۔ ہر لمحہ محبوب کی یاد دل کو تڑپاتی ہے۔ محبوب نظر نہ آئے تو دل بیقرار رہتا ہے۔ محبوب کی مار بھی پھولوں کی پتیوں کی طرح بدن کو محسوس ہوتی ہے۔ محبوب کا درجہ ہر درجے سے اعلیٰ وبرتر ٹھہرتا ہے۔ آخر کیا وجہ ہے کہ محبوب مجازی تو خدا بن جاتا ہے اور خدا کے لیے محبت کبھی جاگتی ہی نہیں۔ کہیں ایسا تو نہیں نام نہاد وقت کے ملانے صرف ڈر پیدا کیا ہو اور محبت کا درس بھول گیا ہو۔

❁- کامیابی اور سکون ضروری نہیں آپس میں میل رکھتے ہوں کیونکہ کچھ کامیابیاں زندگی میں انتشار اور اضطراب کو جنم دیتی ہیں اور یہی انتشار بیسکونی کو جنم دینے کا سبب بنتا ہے۔ زندگی کی دوڑ میں سب کچھ حاصل کر لینے کی جستجو بہت دفعہ انمول لمحات کو بیکار کر دیتی ہے۔ اس لیے زندگی کے فلسفے میں جو حاصل ہے اس پر قناعت کرنے کو شامل کر لیجئے پھر دیکھیں حاصل کامیابی نہیں ہوگی بلکہ جو لمحہ سکون کا سبب ہوگا وہ ہی کامیابی قرار پائے گا۔

❁- کتاب کو چھوڑ کر موبائل کو پکڑا تو کسی کو رونا نہیں آیا۔ سکارف اور برقعے سے مراجعت جینز اور شارٹ میں ہوئی تو کسی کو رونا نہیں آیا۔ استاد کا درجہ پیغمبری پیشے سے پیشہ ور بنا تو کسی کے اشک نہیں بہے۔ اخلاقی قدروں کا جنازہ نکلا تو کسی نے اف تک نہیں کی۔ آج ملکِ خداداد میں پب جی، فیس بک، یوٹیوب، ٹک ٹاک یا غلیظ ایپس پر پابندی لگا دی جائے تو اگلے دن ممکن ہے پورے ملک میں پہیہ جام ہڑتال ہو جائے کیونکہ مسئلہ ترجیحات کا ہے جو قوم فیشن کو زندگی اور زندگی کو فیشن سمجھ کر جیے وہاں اگر عوام بھوکے مریں تو تعجب نہیں ہونا چاہیے اور حکمران اگر اداکار نہ ہوں تو حیرانی واجب ہے۔

نظام لوھار کی باغیانہ سوچ

جب نظام لوھار نے اپنی بھٹی میں پہلے لوھے کی ایک برچھی ڈھالی اور پھر ایک پستول بھی بنالیا تو اسکی ماں نے اسے خوب برا بھلا کہا کہ اگر کسی کو معلوم ھوگیا تو کیا ھوگا؟ وہ مسکرایا اور چپ رہا۔ اسکے اندر ایک نیا انسان جنم لے رھا تھا۔ اسکے چہرے کی مسکراہٹ اسکے باغیانہ خیالات کا آئینہ بن گئی۔ آہستہ آہستہ سارے سکول اور سارے گاؤں کو پتا چل گیا کہ نظام لوھار کے پاس کون کون سے تھیار ہیں۔ نظام لوھار اپنی باغیانہ سوچوں میں گم رات گئے تک گھر سے باہر رھا کرتا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ قدرت اسکے" جذبہ بغاوت "کو پختہ تر کرنا چاہتی تھی۔ شروع میں نظام لوھار نے نچلی سطح پر انگریزوں کے خلاف کاروائیاں شروع کیں۔ نظام لوھار نے مقامی باغی لیڈروں" اجیت سنگھ" اور" ملکیت سنگھ" کو خفیہ طور پر؛ تھیار بنا کر دینے شروع کر دیئے اور خود بھی انگریز سرکار کے خلاف مسلح کاروائیاں شروع کر دیں۔ انگریزوں کو نظام لوھار پر شک ھونے لگا لیکن انہیں نظام لوھار کے خلاف کوئی ثبوت نہیں مل رہا تھا کیونکہ نظام لوھار ہر واردات کے بعد بچ نکلنے میں کامیاب ہو جاتا تھا۔

انگریز سرکار کا ظلم

نظام لوھار اپنے گھر کے ایک خفیہ تہہ خانے میں ہتھیار چھپا کر رکھتا تھا۔ ایک دن نظام لوھار کی غیر موجودگی میں ترن تارن پولیس نے" انگریز کیپٹن کول کی سربراھی میں اس کے گھر چھاپہ مارا اور ہتھیار برآمد کر لئے۔" کیپٹن کول" نے نظام لوھار کی ماں اور بہن پر بہت زیادہ تشدد کیا جس کے نتیجے میں نظام لوھار کی ماں دم توڑ گئی۔

چنانچہ رات کو جب نظام لوھار واپس آیا تو دیکھا کہ ماں مر چکی ہے اور جوان بہن کے کپڑے تار تار ہیں۔ بہن نے بتایا کہ تمہارے پیچھے انگریز پولیس کپتان آیا تھا۔ اس نے گھر کی تلاشی لے کر تمہاری پستول اور برچھی ڈھونڈ نکالی اور ماں کو اس قدر مارا کہ وہ مرگئی۔ میں نے مزاحمت کی تو مجھے بھی بری طرح زدوکوب کیا۔ نظام لوھار کے لئے یہ واقعہ اسکی زندگی کا فیصلہ کن موڑ تھا۔ اسی رات اس نے اپنی بہن کو ساتھ لے جا کر اپنے ایک دوست شفیع سے اسکا بیاہ کر دیا اور خود گھر بار چھوڑ کر ایک اُجاڑ حویلی میں پناہ لے لی جو آج تک "ککراں والی حویلی" کے نام سے مشہور ہے۔

نظام لوھار کی مشہوری

دوسری رات نظام لوھار تھانے میں پہنچا اور" کپتان کول" کو قتل کر دیا جس نے اسکی ماں کا خون کیا تھا اور فرار ہو گیا۔ اب نظام لوھار کھل کر انگریز سرکار کے خلاف سامنے آ چکا تھا۔ جب انگریز کپتان کے قتل کی خبر علاقے میں پھیلی تو لوگ خوشی سے دیوانے ہو گئے۔ یہ بدنیت گورا کسان عورتوں کی بے حرمتی کرتا تھا اور غریب کسانوں سے بیگار لیتا تھا۔" کپتان کول" کے قتل پر ابھی ترنجنوں اور چوپالوں میں بحث جاری تھی کہ نظام لوھار نے" سینئر سپرٹنڈنٹ پولیس رونالڈ" کو کئی ساتھیوں سمیت قتل کر دیا۔ رونالڈ کی مسخ شدہ لاش دھپ سڑی پتن پر روھی نالے میں پائی گئی۔ جب انگریز پولیس وہاں پہنچی تو نظام لوہار کی برچھی رونالڈ کے سینے میں گڑی تھی۔ اب نظام لوہار انگریز سرکار کے لئے دہشت کی علامت بن چکا تھا لیکن عوام کی نظروں میں ایک ہیرو کے طور پر اُبھرا اور گھر گھر میں نظام لوھار کے چرچے ہونے لگے۔ دس ہزار روپے اور چار مربعے زمین کا انعام اسکے بعد انگریز حکومت کے لئے نظام لوہار ایک طعنہ بن گیا اور سارے پنجاب میں نظام لوہار کے خلاف اشتہار لگ گئے۔" دس ہزار روپے اور چار مربعے زمین حاصل کیجئے" جو نظام لوہار کو زندہ یا مردہ گرفتار کرے گا۔ اسے کچہری میں کرسی ملے گی۔ ان اشتہاروں کے مقابلے میں نواحی دیہات میں غریب لوگوں نے یہ دھمکی پھیلا دی کہ جو کوئی نظام لوھار کے ساتھ غداری کرے گا اسے وہ جان سے مار دیں گے۔ اردگرد کے دیہات میں یہ بات زبان زد عام تھی۔

"جیہنے وی نظام دی مخبری کیتی...اوھدا گھر ساڑ دتا جاوے گا" (یعنی جس کسی نے بھی نظام لوھار کی مخبری کی اس کا گھر جلا دیا جائے گا)۔ یہ بات سن کر انگریز سرکار کانپ اٹھی۔ عوام کے نزدیک نظام لوہار کسی ایک شخص کا نہیں بلکہ انگریزوں کے خلاف پنجاب کی مزاحمت کا علم بن گیا تھا۔

نظام لوہار اور سوجھا سنگھ

ایک رات پولیس نے تحصیل" پٹی" کے ایک قبرستان پر چھاپہ مارا مگر نظام لوھار اس اڈے کو چھوڑ کر موضع سوھی کی طرف چل دیا۔ راستے میں اسکی ملاقات علاقے کے مشہور باغی سوجھا سنگھ کی ماں" جیتاں" سے ہوئی جو بین

کرتی جارہی تھی۔ نظام لوھار نے وجہ پوچھی تو ''جیتاں'' نے بتایا کہ سوجھا سنگھ کو پولیس گرفتار کر کے لے گئی ہے۔ نظام لوھار نے جیتاں کو تسلی دی اور خود سوجھا سنگھ کو چھڑانے کے لئے ''ٹبہ کمال چشتی'' کی طرف چل دیا۔ پولیس سے مقابلے کے بعد نظام لوھار نے سوجھا سنگھ کو چھڑا لیا۔ سوجھا سنگھ کی ماں جیتاں نے نظام کو اپنا بیٹا بنالیا اور وہ اسی کے پاس رہنے لگا۔ اس کے بعد نظام لوھار اور سوجھا سنگھ نے مل کر اوپر تلے انگریزوں کے چار اعلیٰ پولیس افسروں کو قتل کر دیا۔ وہ انگریز حکومت کے لئے دردسر بن گئے۔

پنجاب چھڈ دیو تحریک

ادھر لاھور اور قصور کے درمیانی علاقے ماجھے کے انقلابی 'جبرو جٹ'' کو نظام لوھار کے کارناموں کی خبر ھوئی تو وہ بھی آ کر نظام لوھار سے مل گیا۔ اس طرح ''نظام لوھار''، ''سوجھا سنگھ'' اور ''جبرو جٹ'' نے مل کر انگریز حکومت کے خلاف ایک منظم تحریک کا آغاز کیا جس کا نام تھا۔'' پنجاب چھڈ دیو تحریک'' (یعنی پنجاب چھوڑ دو تحریک)۔

آہستہ آہستہ پنجاب بھر سے باغی نظام لوھار کی سربراھی میں اس تحریک کا حصہ بنتے گئے اور انگریز سرکار کے خلاف مسلح کاروائیاں شروع کر دیں اور علاقے بانٹ کر کسانوں کو ساتھ ملانے کے لئے راتوں کو گاؤں گاؤں پھرنے لگے۔ آخر فیصلہ ھوا کہ میلوں اور عرسوں میں جا کر انگریز پولیس افسروں کو قتل کیا جائے ''پنجاب چھڈ دیو' اس تحریک کے نتیجے میں سینکڑوں انگریز افسروں اور فوجیوں کو قتل کیا گیا اور ان سے مال اسباب لوٹ کر غریبوں میں تقسیم کیا گیا۔

نظام لوھار اور ھندو لڑکی ''موھنی''

پنجاب چھڈ دیو تحریک کے سلسلے میں ایک دن نظام لوھار ستلج پار بسنت کے میلے پر جارھا تھا کہ راستے میں اسے پیاس لگ گئی۔ اس نے میلے میں جاتی ہوئی ایک لڑکی سے لسی کا کٹورا مانگا۔ لڑکی نے نظام لوھار کو لسی دی۔ نظام لوھار نے خوش ہو کر اسے کچھ رقم دینی چاہی مگر لڑکی نے یہ کہہ کر رقم لینے سے انکار کر دیا کہ یہ نظام لوھار کا علاقہ ہے۔ یہ رقم میرے کس کام کی۔ یہ رقم تو وہ چھین لے گا۔ اس پر نظام لوھار نے اپنا آپ ظاہر کر دیا اور کہا کہ پنجاب کی ہر لڑکی میری بہن ہے، میں تو صرف انگریزوں کے خلاف ہوں اور انہیں پنجاب سے نکالنا چاہتا ھوں۔

اس لڑکی کا نام ''موھنی'' تھا۔ وہ میلے میں نظام لوھار سے پھر ملی اور اسکی کلائی پر راکھی باندھ دی (ہندو مذہب میں بہنیں نیک شگون کے طور پر اپنے بھائیوں کی کلائی پر ایک دھاگہ باندھتی ہیں جس کو ''راکھی'' یا ''رکھڑی'' کہتے ہیں۔ پھر اس نے بتایا کہ اسی ہفتے اسکی شادی ہے۔ نظام لوھار نے اسکی شادی پر آنے کا وعدہ کیا۔ میلے سے واپس جاتے ہوئے نظام لوھار نے 'انسپکٹر آئس' کو قتل کر دیا۔ اس سے سارے میلے میں بھگدڑ مچ گئی۔ مگر اس طرح نظام لوھار کا پیغام پنجاب کے دوردراز علاقوں تک پہنچ گیا اور لوگ اسکے مقصد سے ہمدردی کرنے لگے۔

نظام لوھار نے چند ساھوکاروں کی حویلیوں پر ڈاکے ڈالے، بہت سا مال اکٹھا کیا اور شادی والے دن یہ سارا مال اپنی منہ بولی بہن ''موھنی'' کو دے آیا۔ اگرچہ اسے موھنی کے گاؤں سے فرار ھونے میں بڑی مشکل پیش آئی مگر سوجھا سنگھ اور جبرو جٹ جیسے ساتھیوں نے نظام لوھار کی مدد کی اور وہ وہاں سے بچ نکلنے میں کامیاب ہوگیا۔

نظام لوھار کے خلاف سازش

اب نظام لوھار پنجاب کی انگریز پولیس کے لئے طعنے سے بڑھ کر خوف کی علامت بن چکا تھا۔ ''ایس پی جان لیو' نے نظام لوھار کو پیغام بھجوا کر اس سے بات چیت کرنی چاہی۔ مگر اصل میں یہ اسے قتل کرنے کی سازش تھی۔ نظام لوھار نے اپنے اردگرد بھیس بدل کر موجود سپاہیوں کو تاڑ لیا تھا۔ چنانچہ وہ 'ایس پی جان لیو' کو اپنی گولی کا نشانہ بنا کر نکل بھاگا اور تین ماہ تک چھانگا مانگا کے علاقے میں جبرو جٹ کے پاس چھپا رہا۔

انگریز سرکار نے ''پنجاب چھڈ دیو تحریک'' کو ناکام بنانے کیلئے ایک شاطر چال چلتے ہوئے ایک بدکردار لڑکی ''پچھیا ماچھن'' کو سوجھا سنگھ سے منتھی کر دیا۔ ایک دن نظام لوھار سوجھا سنگھ کی ماں ''جیتاں'' کی بیماری کی خبر سن کر واپس حویلی آ گیا۔ اسی اثناء میں نظام لوھار کو معلوم ھوا کہ سوجھا سنگھ ساتھ والے گاؤں ''جتاں دا کھوہ'' کی ایک لڑکی ''پچھیا ماچھن'' سے پیار کی پینگیں بڑھا رہا ہے۔ نظام لوھار کو یہ بات پسند نہ آئی، اس نے ''پچھیا ماچھن'' کو بلا کر سخت کہا۔ نظام لوھار کا خیال تھا کہ عشق انسان کو بزدل بنادیتا ہے اور عشق کے چکر میں سوجھا سنگھ پولیس کے ہاتھ آ سکتا ہے۔

نظام لوھار کے ساتھ سوجھا سنگھ کی غداری

پچھیا ماچھن نے سوجھا سنگھ کے کان بھرے تو وہ نظام لوھار کے خلاف ہو گیا۔ دس ہزار روپے نقد اور چار مربعے زمین کے انعام پر اس کا دل للچا گیا۔ پچھیا ماچھن نے سوجھا سنگھ سے کہا تھا کہ دیکھ قتل تو نظام کرتا ہے مگر پھانسی ساتھ میں تجھے بھی ہو جائے گی۔

ایک رات نظام لوھار اپنی منہ بولی ماں ''جیتاں'' کی تیمارداری کے لئے سوجھا سنگھ کے گھر آیا۔ سوجھا سنگھ نے تھانہ بھیٹر یالہ میں اطلاع دے دی کہ نظام لوھار آج ھمارے ہاں بطور مہمان ٹھہرا ہوا ہے اور کل وہ ''کالے کھوہ'' واپس چلا جائے گا۔ نظام لوھار جس کمرے میں سویا ھوا تھا 2 گھنٹے کے اندر اندر اسے پولیس نے گھیرے میں لے لیا اور چند سپاھی کمرے کے اوپر چڑھ کر کمرے کی چھت توڑنے میں مصروف ہو گئے۔ نظام لوھار کو پتہ چل گیا۔ اس کی گھوڑی کمرے ہی میں بندھی تھی وہ فوراً سوار ھوا۔ اس نے سر پر لوہے کا تانبیہ اوڑھ لیا تاکہ گولیوں سے بچ سکے مگر اس طرح اسے کچھ نظر نہ آرھا تھا۔ اس نے گھوڑی کو بھگانے کے لئے سیٹی ماری، گھوڑی تیزی سے دروازے کی طرف بڑھی تو لوہے کا تانبیہ دروازے کی چوکھٹ سے ٹکرا گیا۔ نظام لوھار زخمی ہونے کے بعد بیہوش ہو کر کمرے کے اندر گر پڑا۔ پھر کیا تھا، پولیس 48 گھنٹے تک اس کمرے پر گولیاں برساتی رہی، تیسرے دن نظام کی لاش کو پوسٹ مارٹم کے لئے قصور سول ہسپتال میں لایا گیا۔

سوجھا سنگھ کی ماں کا تاریخی جملہ

نظام لوھار کی لاش کو سول ہسپتال قصور میں پہنچانے کے بعد پولیس واپس تھانے آ گئی۔ سوجھا سنگھ بھی انعام حاصل کرنے کیلئے تھانے پہنچ گیا۔ جرو جٹ کو پولیس پہلے ہی گرفتار کر چکی تھی۔ ادھر جب سوجھا سنگھ کی ماں ''جیتاں'' کو پتہ چلا کہ اس کا منہ بولا بیٹا نظام لوھار اس کے حقیقی بیٹے سوجھا سنگھ کی غداری کی وجہ سے مارا گیا ہے۔ تو ''جیتاں'' کیلئے یہ ایک مشکل ترین لمحہ تھا۔ ایک طرف اس کے حقیقی غدار بیٹے کی ممتا تھی اور دوسری طرف اس کے منہ بولے دھرمی بیٹے کی شہادت کا غم تھا۔ جیتاں نے اپنے دھرمی بیٹے کے حق میں فیصلہ دے کر پنجاب دھرتی کی ایک عظیم ماں ھونے کا ثبوت دیا۔ جیتاں نے تھانے پہنچ کر سوجھا سنگھ کا سر تلوار کے وار سے تن سے جدا کر دیا اور جرو جٹ کو گواہ بنا کر وہ تاریخی جملہ کہا جو پنجاب کی تاریخ میں امر ھو گیا۔ جیتاں نے کہا ''سوجھیا توں مردے مردے اک ھور دکھ وی نال لے کے جا، میں تینوں 32 دھاراں نئیں بخشاں گی تے جبرو توں گواہ رئیں میں ایھنوں کیوں ماریا اے'' (سوجھیا تو مرتے مرتے ایک اور دکھ بھی اپنے ساتھ لیتا جا، میں تجھے اپنا دودھ نہیں بخشوں گی اور جبرو تم گواہ رھنا کہ میں نے اسے کیوں قتل کیا)

نظام لوھار کا جنازہ

اپنے سورما کی لاش دیکھنے اور جنازہ میں شرکت کے لئے دور دراز سے عوام ہزاروں کی تعداد میں قصور پہنچی۔ اس موقع پر حکومت نے اعلان کر دیا کہ جو شخص نظام لوھار کی نماز جنازہ میں شریک ہوگا اسے دو روپے ادا کرنے ہونگے، اس دور میں دو روپے عوام کے لیے بھاری رقم تھی۔ اس کے باوجود لوگوں نے جوق در جوق نماز جنازہ پڑھی اور نتیجے میں 35000 روپے (پینتیس ہزار روپے) اکٹھے ھوئے جو آج کے پینتیس کروڑ سے بھی زیادہ قیمت رکھتے تھے۔ حاضرین نے نظام لوھار کی قبر پر عقیدت اور احترام کے طور پر اس قدر پھولوں کی چادریں چڑھائیں کہ اسکی قبر پھولوں کا ایک پہاڑ بن گئی۔ پنجاب کے اس جوانمرد کی قبر پنجاب کے شہر قصور کے بڑے قبرستان میں موجود ہے۔

ڈاکٹر نجمہ شاہین کھوسہ

دکھوں کی تفصیل لکھنے بیٹھوں تو اشک اپنے تمام لکھوں
لہو میں ڈوبیں جو حرف سارے، امام تیرا سلام لکھوں
وہ جس نے سجدے میں سر کٹا کے ہمیں نوازا بلندیوں سے
وفا کے سجدوں کے شاہ کو ہی میں آج شاہ و امام لکھوں
یہاں سکینہ کا، اصغر،اکبر کا اور قاسم کا تذکرہ ہے
ورق ورق پر ہیں اشک پھیلے میں حرف حرف احترام لکھوں
مجھے شہیدوں کا ذکر کرنا ہے سوچ کو معتبر تو کر لوں
قطار میں سارے لفظ رکھوں، ملے جنہیں پھر دوام لکھوں
ہماری گلیوں میں قتل کب تک روا رہے گا، سوال پوچھوں
ہمارے ظلمت کدے میں کب ہوگا روشنی کا قیام لکھوں
یہی تقدس ہے اب تو میرا، اسی سے نجمہ مری حفاظت
میں اپنی چادر کے چاروں کونوں پہ بی بی زینب کا نام لکھو

راولپنڈی Rawalpindi نصف صدی پہلے

ابن صحرا

یہ کوئی بہت پرانی بات نہیں کہ جب راولپنڈی ایک چھوٹا اور انتہائی پرسکون شہر ہوا کرتا تھا۔ 1980ء کی دہائی تک شہر مریڑ چوک سے شروع ہو کر سکستھ روڈ پر ختم ہو جاتا تھا۔ اس وقت راولپنڈی میں نہ تو بے ہنگم ٹریفک کا اژدھام تھا نہ ہی صفائی ستھرائی کی ابتر حالت۔ تقریباً ہر چھوٹے بڑے گھر میں درخت اور پودے عام ہوا کرتے تھے۔ زیر زمین پانی کے وافر ذخائر کی وجہ سے شہر میں پانی کی کوئی قلت نہ تھی۔ تقریباً ہر دوسرے تیسرے گھر میں کنواں ہوا کرتا تھا بلکہ ہر محلے میں بھی ایک بڑا کنواں عام تھا جہاں سے بہشتی جنہیں پنڈی میں ماشکی کہا جاتا تھا چمڑے کے مشکیزوں میں گھر گھر پانی پہنچاتے تھے۔ ایسا ہی ایک بڑا کنواں چاہ سلطان تھا جس کی وجہ سے پورے علاقے کا نام سلطان دا کھوہ مشہور ہو گیا۔ راولپنڈی کی ایک خاص بات تازہ سبزیاں ہوا کرتی تھیں۔ کھنہ اور ترلائی کے مضافات سے منہ اندھیرے بیل گاڑیاں تازہ ترکاریوں اور پھلوں سے لدی آ جاتی تھیں۔ آج کے شمس آباد سے فیض آباد کے درمیان کھیت ہوا کرتے تھے بلکہ آج کل کے بہت سے پر ہجوم علاقے جیسے چکلالہ ہاؤسنگ سکیم، مسلم ٹاؤن، ائر پورٹ ہاؤسنگ سوسائٹی وغیرہ وغیرہ کا کوئی وجود نہ تھا۔ یہ سب کھیت کھلیان اور زرعی رقبے تھے۔ شہر کا مرکزی بس اڈا لیاقت باغ ہوتا تھا جسے 1976ء یا 1977ء میں پیرودھائی منتقل کیا گیا تھا۔ لیاقت باغ سے ہی مختلف شہروں اور قصبات کو بسیں جایا کرتی تھیں۔

مری روڈ شہر کی مرکزی شاہراہ تھی جسے غالباً 1976ء میں شاہ ایران کے نام پر محمد رضا شاہ پہلوی روڈ کا نام دے دیا گیا تھا۔ سڑک کے درمیان میں پودے ہوا کرتے تھے جن پہ موسمی پھول بہار کھلاتے تھے اور جی ہاں راولپنڈی میں ایک چاندنی چوک بھی ہوا کرتا تھا۔ اس چوک کے بیچوں بیچ ایک گول چمن تھا۔ چوک میں سے کمرشل مارکیٹ کی طرف جاتی سڑک پہ بہت خوش ذائقہ اور عمدہ دہی بھلے ملا کرتے تھے۔ کمرشل مارکیٹ کھلے برآمدوں اور کشادہ سڑکوں والی ایک چھوٹی سی مارکیٹ ہوا کرتی تھی۔ یہ برآمدے اب بھی ہیں لیکن تجاویزات سے اٹ چکے ہیں۔ چاندنی چوک سے کمرشل مارکیٹ کے درمیان سب رہائشی علاقہ تھا جس میں اونچے لمبے درخت سرسبز و شاداب پھول اور پودے تھے۔ یوں چاندنی چوک سے کمرشل مارکیٹ ایک پرلطف واک ہوا کرتی تھی۔ راولپنڈی میں رکشے نہیں ہوتے تھے۔ ٹانگہ ایک مقبول عام سواری تھی۔ کھاتے پیتے لوگ کالی پیلی مورس ٹیکسی کو ترجیح دیتے تھے لیکن شہر میں ٹانگے کا ہی چلن تھا۔ فوارہ چوک، کمیٹی چوک، چوک چاہ سلطان اور بنی چوک جسے اب شاید ''سنی'' چوک کہا جاتا ہے۔ بڑے ٹانگہ اسٹینڈ تھے۔ یہاں گھوڑوں کو پانی پلانے کے حوض بھی ہوا کرتے تھے۔ چند علاقوں کو چھوڑ کر شہر عشاء کے بعد سنسان ہو جاتا تھا۔ گھر سے باہر کھانا کھانے کا رواج نہ تھا۔ رات کو اگر کچھ کھانے پینے کا موڈ ہوتا تو کمیٹی چوک پہ ایک دودھ دہی کی دکان مقبول تھی۔ کالج روڈ اور بنی محلہ میں تکے اور کباب کی دکانیں رات دیر تک کھلی رہتی تھیں۔ لیکن انہیں ناپسندیدہ سمجھا جاتا تھا کیونکہ گمان تھا کہ صرف اوباش اور آوارہ منش لوگ رات گئے ان جگہوں کا رخ کرتے تھے۔ اسلام آباد سے ائر پورٹ جانے کے لئے فیض آباد سے ڈائریکٹ سڑک تو موجود تھی لیکن زیادہ تر لوگ مری روڈ سے چاہ سلطان چوک کے راستے سے ائر پورٹ جاتے تھے۔ راقم الحروف نے بچپن میں کئی دفعہ اس سڑک پہ وزیر اعظم پاکستان ذوالفقار علی بھٹو کو ائر پورٹ آتے جاتے دیکھا تھا۔ اس زمانے میں وی آئی پی کے لئے ٹریفک بلکہ شہروں کو بند نہیں کیا جاتا تھا۔ شہر کی سیاسی قیادت خورشید حسن میر، جاوید حکیم قریشی، اصلی شیخ رشید ایڈووکیٹ اور راجہ انور جیسے تعلیم یافتہ اور اعلیٰ ظرف شخصیات کے پاس تھی۔ ملک کے بہت سے اہم علمی و ادبی نام راولپنڈی کے رہائشی تھے۔ مثلاً شفیق الرحمان، ممتاز مفتی، سید ضمیر جعفری، کرنل محمد خان، انور مسعود، عزیز ملک بلکہ اگر لکھتے جائیں تو یہ لسٹ خاصی طویل ہو جائے گی۔ شہر میں کھیلوں کے بہت سے میدان اور باغات تھے۔ مری روڈ پر تین بڑے میدان سنٹرل ہسپتال گراؤنڈ، شبستان سینما اور لیاقت باغ گراؤنڈ واقع تھے اور ہر رہائشی علاقے میں کوئی نہ کوئی میدان یا پارک تھا۔ افسوس یہ سب تجاوزات اور عاقبت نااندیش ڈویلپمنٹ کی بھینٹ چڑھ گیا۔

''برٹش انڈین بری فوج'' کے شمالی برصغیر کمانڈ کا ہیڈ کوارٹر ہونے کی وجہ سے راولپنڈی کی اہمیت آزادی سے پہلے بھی تھی۔ مریڑ چوک سے آگے چھاؤنی کا علاقہ سرسبز، خاموش اور انتہائی صاف ستھرا ہوا کرتا تھا۔ چھاؤنی کی تعمیرات میں وکٹورین اور برٹش راج کی طرز تعمیر نمایاں تھی۔ لیکن کنٹونمنٹ کا

تذکرہ کسی اور نشست کے لئے چھوڑ دیتے ہیں۔تاریخی طور پر راولپنڈی ہندوؤں اور سکھوں کا شہر تھا۔تقریباً سارے ہی قدیمی رہائشی علاقے مثلاً کرتا پورہ‘انگت پورہ‘ باغ سرداراں‘امرپورہ‘ موہن پورہ، آریہ محلہ، چٹیاں ہٹیاں‘ہندوؤں اور سکھوں کے بسائے تھے اور شہر کے زیادہ تر بیوپاری اور تاجر بھی ہندو یا سکھ ہی تھے۔ویسے تو پرانے شہر کا حلیہ بگڑ کر رہ گیا ہے لیکن آج بھی بہت سے پرانے گھر اور خوبصورت تاریخی عمارات موجود ہیں۔یہ شہر کا تاریخی ورثہ ہیں جنھیں سنبھال کر رکھنے کی ضرورت ہے۔نہ جانے یہ کون کرے گا؟

قارئین کرام یہ سب زمانہ قدیم کی باتیں نہیں ہیں۔وہ تمام لوگ جو 70 اور 80 کی دہائیوں کے راولپنڈی کو دیکھ چکے ہیں۔یقیناً اس پرسکون اور سرسبز وشاداب شہر کو نہیں بھولے ہوں گے جہاں سب ایک دوسرے کو جانتے تھے۔سب کو یاد ہوگا کہ راولپنڈی کیسا ہوا کرتا تھا اور اب کیا بن کر رہ گیا ہے۔

(منقول)

ڈاکٹر فرزانہ فرحت

سدا جو اجنبی بن کر برابر سے گزر جائے
مری خواہش ہے میرے پاس بھی دو پل ٹھہر جائے
لباسِ مخملیں میں نے نہیں مانگا مگر یارب
مرے تن سے لبادہ میری غربت کا اتر جائے
یہاں پر پھول کھل جائیں مری بیلیں مہک اٹھیں
قدم تیرا پڑے جب جب مرا آنگن سنور جائے
جدائی بھی تری مرغوب ہے مجھ کو مگر جا ناں
کہ پہلے سے کہیں بڑھ کر مرا چہرہ نکھر جائے
اگرچہ چاہتی ہوں دوریوں میں بھی تری قربت
مگر یہ کیا کہ تو آئے تو دل اک بار ڈر جائے
کہیں فرحتؔ نہ وہ انکار کر دے ساتھ چلنے سے
کہیں بیکار نہ اب کے مرا زادِ سفر جائے

افسانچہ

ضرورت

رئیس صدیقی

عورت ہو، مرد نہیں، اپنی اوقات میں رہا کرو۔یہ مردوں کا سماج ہے عورتوں کا نہیں۔زمانہ چاہے جتنی ترقی کر لے۔چاہے جتنے سرکاری۔غیر سرکاری کمیشن اور این۔جی۔اوشور مچائیں، سماج ہمیشہ مردوں کا ہی رہتا ہے! آئے دن اپنے شوہر شمیم کے اس طرح کے طعنے سنتے سنتے عارفہ کا صبر جواب دینے لگا تھا۔شادی سے پہلے ہی وہ دہلی کے جمنا پار علاقہ میں ایک سرکاری اسکول میں اردو ٹیچر ہوگئی تھی۔لیکن شمیم کے پاس کوئی مستقل نوکری نہیں تھی۔وہ کسی چھوٹے سے اردو اخبار میں سب ایڈیٹر تھا۔تنخواہ بہت کم تھی لیکن عارفہ کی بھی عمر ہو رہی تھی۔اسنے سوچا کہ چلو ہم دونوں مل کر گھر چلا لیں گے۔لیکن شمیم نے کبھی اس کے اِس جذبہ کا احترام نہ کیا۔وہ ہمیشہ اس احساس کے ساتھ جیتا کہ وہ مرد ہے۔وہ شوہر ہے۔اسنے اپنے بڑوں کو ہمیشہ اپنی بیوی کو کم تر سمجھتے دیکھا تھا۔وہ دلی آکر بھی اپنی ذہنیت نہ بدل سکا۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ وہ گھر سے باہر خواتین کو اپنی لچھے دار باتوں سے گرویدہ بنائے رکھتا۔لیکن گھر میں وہ اپنے اجداد کی طرح ہی شوہر نظر آتا۔وہ بیوی کو صرف ایک عورت سمجھتا۔جب بھی وہ کہتا کہ تم عورت ہو...اسکے جواب میں عارفہ یہ کہنا چاہتی کہ تم کیا جانو،عورت ہونے کے معنی! لیکن کبھی بھی وہ یہ کہہ نہ سکی۔ہمیشہ وہ اپنے رشتہ کی آبرو کی خاطر آنسو پی کر رہ جاتی۔

عارفہ، چائے کا کیا ہوا؟...شمیم کی آواز میں کسی حاکم شوہر کا لب ولہجہ تھا۔

میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔خود بنا لو یا باہر جا کر پی لو۔عارفہ نے سپاٹ سا جواب دیا۔شمیم کو اپنی عورت سے اس طرح کے جواب کی قطعی توقع نہیں تھی۔وہ جھنجلاتے ہوئے بولا۔تو پھر شاید کھانا بھی باہر ہی کھانا پڑیگا! جواب میں عارفہ کی طرف سے خاموشی تھی! کئی دن تک، دونوں ایک دوسرے سے منھ پھلائے رہے۔دونوں کے درمیان خاموشی حائل رہی۔گھر میں ہر چیز بے ترتیب ادھر ادھر پڑی رہتی، میلے کپڑے، ہر طرف دھول، بدبو، منحوس سا ماحول اور گھر میں اندھیری سی خاموشی نے شمیم کو کسی حد تک توڑ دِیا۔وہ ایک دن خود ہی بولا۔ تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی ہے۔آؤ چلو، ڈاکٹر کو دکھا دیں۔عارفہ نے اس ہمدردی پر ایک چبھتا سا سوال کیا۔میری فکر ہے یا اپنے آپ کی یا اپنے گھر کی؟

حاضر دماغ، حاضر جواب، تیز طرار، لفاظ اور چرب زبان شوہر اپنی بیوی کے اس سوال کا ایماندارانہ جواب آج تک نہ دے سکا !!!

جب ہندوستان کے آخری شہنشاہ

بہادر شاہ ظفر

کو میکنن میکنزی بحری جہاز میں بٹھا دیا گیا'

(تحاریرِ شگفتہ)

یہ جہاز 17 اکتوبر 1858ء کو رنگون پہنچ گیا' شاہی خاندان کے 35 مرد اور خواتین بھی تاج دار ہند کے ساتھ تھیں' کیپٹن نیلسن ڈیوس رنگون کا انچارج تھا' وہ بندرگاہ پہنچا' اس نے بادشاہ اور اس کے حواریوں کو وصول کیا' رسید لکھ کر دی اور دنیا کی تیسری بڑی سلطنت کے آخری فرمانروا کو ساتھ لے کر اپنی رہائش گاہ پر آ گیا' نیلسن پریشان تھا' بہادر شاہ ظفر قیدی ہونے کے باوجود بادشاہ تھا اور نیلسن کا ضمیر گوارہ نہیں کر رہا تھا وہ بیمار اور بوڑھے بادشاہ کو جیل میں پھینک دے مگر رنگون میں کوئی ایسا مقام نہیں تھا جہاں بہادر شاہ ظفر کو رکھا جا سکتا' وہ رنگون میں پہلا جلا وطن بادشاہ تھا' نیلسن ڈیوس نے چند لمحے سوچا اور مسئلے کا دلچسپ حل نکال لیا' نیلسن نے اپنے گھر کا گیراج خالی کرایا اور تاجدار ہند' ظِلّ سُبحانی اور تیموری لہو کے آخری چشم و چراغ کو اپنے گیراج میں قید کر دیا' بہادر شاہ ظفر 17 اکتوبر 1858ء کو اس گیراج میں پہنچا اور 7 نومبر 1862ء تک چار سال وہاں رہا' بہادر شاہ ظفر نے اپنی مشہور زمانہ غزل لگتا نہیں ہے دل میرا اجڑے دیار میں'' ''کس کی بنی ہے عالمِ ناپائیدار میں''

اور کتنا بدنصیب ہے ظفر دفن کے لیے' دو گز زمین بھی نہ ملی کوئے یار میں، اسی گیراج میں لکھی تھی' یہ آج 7 نومبر کا خنک دن تھا اور سن تھا 1862ء بدنصیب بادشاہ کی خادمہ نے شدید پریشانی میں کیپٹن نیلسن ڈیوس کے دروازے پر دستک دی' اندر سے اردلی نے بَرمی زُبان میں اس بدتمیزی کی وجہ پوچھی' خادمہ نے ٹوٹی پھوٹی بَرمی میں جواب دیا' ظِلّ سُبحانی کا سانس اُکھڑ رہا ہے' اردلی نے جواب دیا' صاحب کتے کو کنگھی کر رہے ہیں' میں انھیں ڈسٹرب نہیں کر سکتا' خادمہ نے اونچی آواز میں رونا شروع کر دیا' اردلی اسے چپ کرانے لگا مگر آواز نیلسن تک پہنچ گئی۔

وہ غصے میں باہر نکلا' خادمہ نے نیلسن کو دیکھا تو وہ اس کے پاؤں میں گر گئی' وہ مرتے ہوئے بادشاہ کے لیے گیراج کی کھڑکی کھلوانا چاہتی تھی' بادشاہ موت سے پہلے آزاد اور کھلی ہوا کا ایک گھونٹ بھرنا چاہتا تھا' نیلسن نے اپنا پسٹل اٹھایا' گارڈز کو ساتھ لیا' گیراج میں داخل ہو گیا۔ بادشاہ کی آخری آرام گاہ کے اندر بدبُو' موت کا سکوت اور اندھیرا تھا۔ اردلی لیمپ لے کر بادشاہ کے سرہانے کھڑا ہو گیا' نیلسن آگے بڑھا' بادشاہ کا کمبل آدھا بستر پر تھا اور آدھا فرش پر' اُس کا ننگا سر تکیے پر تھا لیکن گردن ڈھلکی ہوئی تھی' آنکھوں کے ڈھیلے پپوٹوں کی حدوں سے باہر اُبل رہے تھے' گردن کی رگیں پھولی ہوئی تھیں اور خشک زرد ہونٹوں پر مکھیاں بِھنبھنا رہی تھیں' نیلسن نے زندگی میں ہزاروں چہرے دیکھے تھے لیکن اس نے کسی چہرے پر اتنی بے چارگی' اتنی غریب الوطنی نہیں دیکھی تھی' وہ کسی بادشاہ کا چہرہ نہیں تھا' وہ دنیا کے سب سے بڑے بھکاری کا چہرہ تھا اور اس چہرے پر ایک آزاد سانس جی ہاں....صرف ایک آزاد سانس کی اپیل تحریر تھی اور یہ اپیل پرانے کنوئیں کی دیوار سے لپٹی کائی کی طرح ہر دیکھنے والی آنکھ کو اپنی گرفت میں لے لیتی تھی' کیپٹن نیلسن نے بادشاہ کی گردن پر ہاتھ رکھا' زندگی کے قافلے کو رگوں کے جنگل سے گزرے مدت ہو چکی تھی' ہندوستان کا آخری بادشاہ زندگی کی حد عبور کر چکا تھا' نیلسن نے لواحقین کو بلانے کا حکم دیا' لواحقین تھے ہی کتنے ایک شہزادہ جوان بخت اور دوسرا اس کا استاد حافظ محمد ابراہیم دہلوی' وہ دونوں آئے۔ انھوں نے بادشاہ کو غسل دیا' کفن پہنایا اور جیسے تیسے بادشاہ کی نمازِ جنازہ پڑھی' قبر کا مرحلہ آیا تو پورے رنگون شہر میں آخری تاجدار ہند کے لیے دو گز زمین دستیاب نہیں تھی' نیلسن نے سرکاری رہائش گاہ کے احاطے میں قبر کھدوائی اور بادشاہ کو خیرات میں ملی ہوئی مٹی میں دفن کر دیا' قبر پر پانی کا چھڑکاؤ ہو رہا تھا' گلاب کی پتیاں بکھیری جا رہی تھیں تو استاد حافظ ابراہیم دہلوی کے خزاں رسیدہ ذہن میں 30 ستمبر 1837ء کے وہ مناظر دوڑنے بھاگنے لگے جب دہلی کے لال قلعے میں 62 برس کے بہادر شاہ ظفر کو تاج پہنایا گیا۔ ہندوستان کے نئے بادشاہ کو سلامی دینے کے لیے پورے ملک سے لاکھوں لوگ دلی آئے تھے اور بادشاہ جب لباس فاخرہ پہن کر' تاج شاہی سَر پر سجا کر اور نادر شاہی اور جہانگیری تلواریں لٹکا کر دربار عام میں آیا تو پورا دلی تحسین تحسین کے نعروں سے گونج اٹھا' نقارچی نقارے بجانے لگے' گویے ہواؤں میں تانیں اڑانے لگے۔

فوجی سالار تلواریں بجانے لگیا ور رقاصائیں رقص کرنے لگیں' استاد حافظ محمد ابرہیم دہلوی کو یاد تھا بہادر شاہ ظفر کی تاج پوشی کا جشن سات دن جاری رہا اور ان سات دنوں میں دِلّی کے لوگوں کو شاہی محل سے کھانا کھلایا گیا مگر سات نومبر 1862ء کی اس ٹھنڈی اور بے مہر صُبح بادشاہ کی قبر کو ایک خوش الحان قاری تک نصیب نہیں تھا۔ استاد حافظ محمد ابراہیم دہلوی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے' اس نے جوتے اتارے'۔

بادشاہ کی قبر کی پائینتی میں کھڑا ہوا اور سورۃ توبہ کی تلاوت شروع کر دی' حافظ ابراہیم دہلوی کے گلے سے سوز کے دریا بہنے لگے' یہ قرآن مجید کی تلاوت کا اعجاز تھا یا پھر استاد ابراہیم دہلوی کے گلے کا سوز کیپٹن نیلسن ڈیوس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

اس نے ہاتھ اٹھایا اور اس غریبُ الوطن قبر کو سیلوٹ پیش کر دیا اور اس آخری سیلوٹ کے ساتھ ہی مغل سلطنت کا سورج ہمیشہ ہمیشہ کے لیے غروب ہو گیا' آپ اگر کبھی رنگون جائیں تو آپ کو ڈیگن ٹاؤن شِپ کی کچّی گلیوں کی بدبُودار جُھگّیوں میں آج بھی بہادر شاہ ظفر کی نسل کے خاندان مل جائیں گے' یہ آخری مُغل شاہ کی اصل اولاد ہیں مگر یہ اولاد آج سرکار کے وظیفے پر چل رہی ہے' یہ کچی زمین پر سوتی ہے' ننگے پاؤں پھرتی ہے' مانگ کر کھاتی ہے اور ٹین کے کنستروں میں سرکاری نل سے پانی بھرتی ہے۔ مگر یہ لوگ اس کسمپُرسی کے باوجود خود کو شہزادے اور شہزادیاں کہتے ہیں' یہ لوگوں کو عہد رفتہ کی داستانیں سناتے ہیں اور لوگ قہقہے لگا کر رنگون کی گلیوں میں گم ہو جاتے ہیں۔ یہ لوگ' یہ شہزادے اور شہزادیاں کون ہیں؟ یہ ہندوستان کے آخری بادشاہ کی سیاسی غلطیاں ہیں' بادشاہ نے اپنے گرد نااہل' خوشامدی اور کرپٹ لوگوں کا لشکر جمع کر لیا تھا' یہ لوگ بادشاہ کی آنکھیں بھی تھے' اس کے کان بھی اور اس کا ضمیر بھی' بادشاہ کے دو بیٹوں نے سلطنت آپس میں تقسیم کر لی تھی' ایک شہزادہ داخلی امور کا مالک تھا اور دوسرا خارجی امور کا مختار' دونوں کے درمیان لڑائی بھی چلتی رہتی تھی اور بادشاہ ان دونوں کی ہر غلطی' ہر کوتاہی معاف کر دیتا تھا' عوام کی حالت انتہائی ناگُفتہ بہ تھی' مہنگائی آسمان کو چھو رہی تھی' خوراک منڈیوں سے کٹائی کے موسموں میں غائب ہو جاتی تھی' سوداگر منہ مانگی قیمت پر لوگوں کو گندم' گڑ اور ترکاری بیچتے تھے' ٹیکسوں میں روز اضافہ ہوتا تھا' شہزادوں نے دلی شہر میں کبوتروں کے دانے تک پر ٹیکس لگا دیا تھا' طوائفوں کی کمائی تک کا ایک حصہ شہزادوں کی جیب میں چلا جاتا تھا۔ شاہی خاندان کے لوگ قتل بھی کر دیتے تھے تو کوئی ان سے پوچھ نہیں سکتا تھا' ریاست شاہی دربار کے ہاتھ سے نکل چکی تھی' نواب' صوبیدار' امیر اور سلطان آزاد ہو چکے تھے اور یہ مغل سلطنت کو ماننے تک سے انکاری تھے' فوج تلوار کی نوک پر بادشاہ سے جو چاہتی تھی منوا لیتی تھی' عوام بادشاہ اور اس کے خاندان سے بیزار ہو چکے تھے' یہ گلیوں اور بازاروں میں بادشاہ کو ننگی گالیاں دیتے تھے اور کوتوال چپ چاپ ان کے قریب سے گزر جاتے تھے جب کہ انگریز مضبوط ہوتے جا رہے تھے۔

یہ روز معاہدہ توڑتے تھے اور شاہی خاندان وسیع تر قومی مفاد میں انگریزوں کے ساتھ نیا معاہدہ کر لیتا تھا۔ انگریز بادشاہ کے وفاداروں کو قتل کر دیتے تھے اور شاہی خاندان جب احتجاج کرتا تھا تو انگریز بادشاہ کو یہ بتا کر حیران کر دیتا تھا ''ظل الٰہی وہ شخص آپ کا وفادار نہیں تھا' وہ ننگ انسانیت آپ کے خلاف سازش کر رہا تھا'' اور بادشاہ اس پر یقین کر لیتا تھا' بادشاہ نے طویل عرصے تک اپنی فوج بھی ٹیسٹ نہیں کی تھی چنانچہ جب لڑنے کا وقت آیا تو فوجیوں سے تلواریں تک نہ اٹھائی گئیں' ان حالات میں جب آزادی کی جنگ شروع ہوئی اور بادشاہ گرتا پڑتا شاہی ہاتھی پر چڑھا تو عوام نے لاتعلق رہنے کا اعلان کر دیا' لوگ کہتے تھے ہمارے لیے بہادر شاہ ظفر یا الیگزینڈرا وکٹوریا دونوں برابر ہیں' مجاہدین جذبے سے لبریز تھے لیکن ان کے پاس قیادت نہیں تھی۔ بادشاہ ڈبل مائینڈڈ تھا' یہ انگریز سے لڑنا بھی چاہتا تھا اور اپنی مدت شاہی بھی پوری کرنا چاہتا تھا چنانچہ اس جنگ کا وہی نتیجہ نکلا جو ڈبل مائینڈ ہو کر لڑی جانے والی جنگوں کا نکلتا ہے' شاہی خاندان کو دلی میں ذبح کر دیا گیا جب کہ بادشاہ جلاوطن ہو گیا' بادشاہ کیپٹن نیلسن ڈیوس کے گیراج میں قید رہا' گھر کے احاطہ میں دفن ہوا اور اس کی اولاد آج تک اپنی عظمت رفتہ کا ٹوکرا سر پر اٹھا کر رنگون کی گلیوں میں پھر رہی ہے۔

یہ لوگ شہر میں نکلتے ہیں تو ان کے چہروں پر صاف لکھا ہوتا ہے' جو بادشاہ اپنی سلطنت' اپنے مینڈیٹ کی حفاظت نہیں کرتے' جو عوام کا اعتماد کھو بیٹھتے ہیں' ان کی اولادیں اسی طرح گلیوں میں خوار ہوتی ہیں' یہ عبرت کا کشکول بن کر اسی طرح تاریخ کے چوک میں بھیک مانگتی ہیں لیکن ہمارے حکمرانوں کو یہ حقیقت سمجھ نہیں آتی' یہ خود کو بہادر شاہ ظفر سے بڑا بادشاہ سمجھتے ہیں۔

برلن جرمنی میں مہلک بیماریوں پر طبی کانفرنس کا خلاصہ

کچھ دلچسپ نکات۔مندرجہ ذیل چیزوں کا انکار کریں۔تیل کا دوبارہ استعمال۔خشک دودھ میجی کیوبز کاربونیٹڈ جوس (32 شوگر کیوبز فی لیٹر) مصنوعی چینی: میکروویواوون۔قبل از پیدائش میموگرام ٹیسٹ ایسے زیر جامہ جو بہت تنگ ہوں شراب منجمد کھانوں کو دوبارہ گرم کرنا۔ پلاسٹک کی بوتلوں میں فریج میں پانی ذخیرہ کرنا۔ پیدائش پر قابو پانے کی تمام گولیاں کیونکہ یہ عورت کے ہارمونل نظام کو تبدیل کرتی ہیں اور کینسر کا سبب بنتی ہیں۔ باڈی سپرے کا استعمال، خاص طور پر جب شیونگ کے بعد استعمال کیا جائے۔ بچوں کو پلانے والا فارمولہ دودھ۔(ماں کا دودھ پلانے سے کینسر کا امکان کم ہوتا ہے) کینسر کے خلیے زیادہ تر چینی کھاتے ہیں اور تمام مصنوعی چینی بھی کینسر کا مریض جو اپنی خوراک میں شوگر سے پرہیز کرتا ہے اس کی بیماری کم ہو جاتی ہے اور وہ لمبی زندگی گزار سکتا ہے۔

شوگر۔ جانی دشمن۔شراب کا ایک کپ جسم میں 5 گھنٹے تک رہتا ہے اور اس دوران اس کپ کی وجہ سے نظام کے اعضاء سست رفتار میں کام کرتے ہیں۔مندرجہ ذیل چیزوں کو اختیار کریں۔

سبزیاں۔ چینی کی بجائے مناسب مقدار میں شہد سبزیوں کے پروٹین جیسے گوشت کی بجائے پھلیاں دو گلاس پانی خالی پیٹ اپنے دانتوں کو برش کرنے سے پہلے جبکہ بیدار ہونے پر کمرے میں اسی کمرے کے درجہ حرارت پر رکھا ہوا پانی پی لیں۔

پر گرم کھانا انسداد کینسر کا رس:

ایلوویرا + ادرک + اجمودا + اجوائن + برومیلین (انناس درمیانی)۔ملا کر خالی پیٹ پی لیں۔ دیگر اینٹی کینسر جوس: کوروسول (بیج کے بغیر) + برومالین..کچی یا پکی ہوئی گاجر یا ان کا رس روزانہ۔

امریکن فزیشنز ایسوسی ایشن نے کینسر کی وجہ کے جوابات دیئے: پلاسٹک کے کپ سے چائے نہ پیئیں غذا یا پلاسٹک کے تھیلے میں گرم کچھ نہ کھائیں۔ مثال: آلو (فرائز)۔مائیکروویو میں پلاسٹک کا استعمال نہ کریں۔ یاد رکھیں: جب پلاسٹک گرمی کے ساتھ رابطے میں آتا ہے تو یہ کیمیکل بناتا ہے جو 52

قسم کے کینسر کا سبب بن سکتا ہے۔ یہ پیغام 100 سے زیادہ مختصر پیغامات سے کئی گنا بہتر ہے۔ ان بری چیزوں سے دور رہنے کے لیے اپنے پیاروں کو آگاہ کریں۔ انناس کے اوپر یا میٹھے کے لیے انناس کھانے کے بعد کوکا کولا پینے سے گریز کریں۔کوک کے ساتھ انناس کا رس نہ ملائیں۔ یہ مرکب قاتل ہے! لوگ وہاں مر رہے ہیں اور غلطی سے یہ مان رہے ہیں کہ انہیں زہر دیا گیا ہے وہ اس مہلک کاک ٹیل سے لاعلمی کا شکار ہوئے ہیں! صحت کی اہم تجاویز:.. بائیں کان سے فون کالز کا جواب دیں۔ٹھنڈے پانی کے ساتھ دوا نہ لیں۔شام 5 بجے کے بعد بھاری کھانا نہ کھائیں۔صبح زیادہ اور شام کو کم پانی پیئیں۔ دوا لینے کے بعد یا کھانے کے فوراً بعد لیٹ نہ جائیں۔ جب فون کی بیٹری کم ہو جائے تو فون کا جواب نہ دیں کیونکہ اس وقت تابکاری 1000 گنا زیادہ طاقتور ہوتی ہے برائے مہربانی اس میڈیکل رپورٹ کو زیادہ سے زیادہ تقسیم کریں تا کہ اس سے استفادہ کیا جائے۔

***

والتھم فاریسٹ پاکستانی کمیونٹی فورم کا ماہانہ مشاعرہ

رپورٹ::
فوٹوز۔امجد مرزا)

سابقہ چودہ برسوں سے لندن کی واحد ادبی تنظیم ''والتھم فاریسٹ پاکستانی کمیونٹی فورم لندن'' جو ہر ماہ کی پہلی اتوار کو ایک خوبصورت ادبی محفل کا انعقاد کرتی ہے اس بار بھی ماہ اکتوبر 2022 میں بروز اتوار ایک بجے والتھم سٹوایسٹ لندن کی لی برتج روڈ لائبریری میں ایک یادگار مشاعرے کا اہتمام کیا گیا۔جس کے دو حصے تھے، پہلا حصہ عام مشاعرہ تھا جبکہ دوسرے حصے میں ماہ ربیع الاول کی برکت سے نعتیہ مشاعرہ کیا گیا۔پہلے مشاعرے کی نظامت امجد مرزا نے کی جبکہ دوسرے حصے کی نظامت چوہدری محبوب احمد محبوب نے کی۔

اسٹیج پر تنظیم کے صدر ڈاکٹر رشید اختر صاحب آج کے مشاعرے کی صدارت جناب رانا عبد الرزاق صاحب نے کی جبکہ مہمان خصوصی معروف شاعر رمضان شائق اور مہمان اعزازی بزرگ شاعر محمود علی محمود تھے۔امجد مرزا نے مشاعرے کی ابتدا قرآن پاک کی تلاوت سے کی اور ایک نعت پیش کی جن کے بعد محمد جہانگیر، شاہین اختر شاہینؔ، صوفی لیاقت علی، اقبال گل، عبد القدیر کوکب، چوہدری محبوب احمد محبوبؔ محمود علی محمود، رمضان شائق اور صدر محفل رانا عبدالرزاق صاحب نے اپنا اپنا کلام سنایا دوسرے حصے کی ابتدا چوہدری محبوب احمد محبوب نے رسول پاک ﷺ کی سیرت مبارک سے کی اور پھر سب نے مل کر دعا کی۔

اشتیاق بھائی نے تمام مہمانوں کے لئے مزیدار گرم گرم زردہ پیش کیا اور امجد مرزا، شاہین اختر شاہین، محبوب احمد محبوبؔ، عبدالقدیر کوکب، محمود علی محمود، رمضان شائق اور رانا عبدالرزاق صاحب نے نعتیہ کلام پیش کیا۔ادبی تنظیم کے روح رواں جنرل سیکریٹری امجد مرزا امجدؔ نے بتایا کہ وہ 6 ہفتوں کے لئے پاکستان جا رہے ہیں اور انشاء اللہ 8 دسمبر کو واپس آئیں گے لہذا ان کی غیر

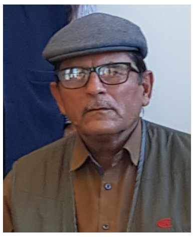

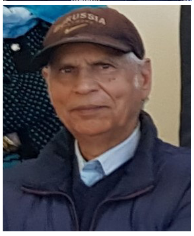

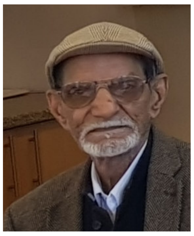

موجودگی میں ان کے دوست معروف شاعر محترم چوہدری محبوب احمد محبوب پروگرام کو جاری رکھیں گے۔لہذا تمام دوست احباب سے گزارش ہے کہ ہر ماہ کی پہلی اتوار کو مشاعرے میں حسب معمول ضرور شرکت کریں۔نومبر کے مشاعرے میں پاکستان سے تشریف لائی ہوئی معروف شاعرہ محترمہ عرفانہ امرؔ کے شعری مجموعہ ''عشق بلا خیز'' کی رسم اجرا بھی ہوگی۔آخر میں تنظیم کے صدر محترم ڈاکٹر رشید اختر صاحب نے بھی ایک نعت پیش کیا اور تمام مہمانوں کا شکریہ ادا کیا۔تمام مہمانوں کی خاطر تواضع چائے بسکٹ کیک اور مزیدار زردہ سے کی گئی۔

طفیل عامر

گو کہ چھوٹا گھر بھی تھا
بات کا نشتر بھی تھا
بات کہنی تھی ضرور
روٹھنے کا ڈر بھی تھا
ظاہری رشتے کو چھوڑ
وہ مرا دلبر بھی تھا
یہ فقیری خوب ہے
جس کا مقصد زر بھی ہے
نذر دینے کے لئے
دوش پر یہ سر بھی تھا
مجھ کو عامر یاد ہے
راہ میں وہ گھر بھی تھا

عورتوں کا پیرومرشد۔ ابن لطیف

یہ اس زمانے کی بات ہے جب میں مدرسے میں پڑھا کرتا تھا۔ ہمارے مدرسے میں باہر گھروں میں جا کر ٹیوشنز پڑھانے کی اجازت نہیں تھی خیر مجھے کچھ مالی مسائل کا سامنا تھا تو میں کمپیوٹر اور انگلش لینگویج کورس کے بہانے مدرسے سے باہر جایا کرتا تھا اور اسکول ٹیوشنز پڑھایا کرتا تھا اور جن گھروں میں ٹیوشنز دیا کرتا تھا انکو معلوم تھا کہ میں مدرسے میں پڑھتا ہوں، خیر ہوا کچھ یوں کہ ایک دن میں معمول کیمطابق ایک گھر میں ٹیوشن پڑھانے گیا تو بچوں کی والدہ آئیں اور کہنے لگیں کہ سر آپ مدرسے میں پڑھتے ہیں اور میرا ایک مسئلہ ہے اور وہ یہ کہ میری بڑی بیٹی تین مہینے سے گھر آ کر بیٹھی ہوئی ہے اور کوئی سبیل نہیں بن رہی کہ وہ اپنے گھر واپس چلی جائے لہذا آپ اپنے کسی استاد سے کوئی تعویذ وغیرہ بنوا کر دے دیں کہ میرا یہ مسئلہ حل ہو جائے خیر ہم نے انکو بہت سمجھایا کہ دعاء کریں اور ان فضولیات میں نہ پڑیں لیکن وہ نہ مانی اور انکے بار بار اسرار پر ہم نے انکو ٹالنے کہ لئے حامی بھر دی اور بات یوں دو چار روز کے لئے گول ہو گئی اور اسکے بعد ہم انکو یوں ٹالتے رہے اور دو چار ہفتے بیت گئے لیکن اچانک ہوا کچھ یوں کہ وہ ایک دن خود مدرسے پہنچ گئیں اور انکو دیکھ کر ہماری سٹی گم ہو گئی اور ہمیں یہ ڈر تھا کہ اگر انہوں نے یہ ٹیوشن والا راز کھول دیا تو ہماری روزی روٹی تو گئی خیر اب سر پر آن پڑی تھی تو ہم بھاگتے ہوئے انکے پاس گئے اور کہا کہ آپکا تعویز چلے کے لئے استاد صاحب نے رکھا تھا آج چلا مکمل ہو جائے گا تو انشاء اللہ آج شام کو آپکو آپکا تعویذ مل جائے گا۔

خیر شام کو جانے سے پہلے ہم نے عربی زبان کے کچھ قواعد جو کہ عربی زبان میں ہی تھے یعنی کہ معروف و مجہول (Passive Active) کے حوالے سے تھے ایک کاغذ پر اتارے اور اس پر دو چار ٹیڑھی میڑھی خطوط کھینچ دیں اور اس پر عطر لگا دیا اور آنٹی کے حوالے کرتے ہوئے کہا کہ اسکو جتنی وزنی چیز کے نیچے رکھیں گی اتنی جلدی ہی اسکا اثر ہو گا اور آنٹی نے وہ رقعہ یعنی کے تعویذ گھر میں لگے پھولوں کے گملے کے نیچے رکھ دیا۔ پھر ہوا کچھ یوں کہ ایک ہفتے بعد میں ایک دن پڑھانے پہنچا تو آنٹی نے کہا کہ آج بچوں کی چھٹی ہے یہ سن کر ہمارے ذہن میں الٹے سیدھے وسوسے آئے لیکن ہم نے پوچھا خیریت تو ہے؟ جس پر انہوں نے جو جواب دیا وہ سن کر تو ہم ہکا بکا ہو گئے اور وہ جواب یہ تھا کہ آج آپکی دعوت ہے، کیا تعویز بنا کر دیا تھا کل لڑکا خود آیا تھا اور معافی مانگ کر واپس لیکر گیا ہے اتنی جلدی اثر اور نذرانے کے طور پر ہمارے اور ہمارے استاد کے لئے پانچ پانچ سو بھی دیئے اور ادھر ہم دل میں یہ سوچ کر ہنس رہے تھے کہ بیچارے کا دل نہیں لگ رہا ہو گا وہ اس وجہ سے لے گیا ہو گا خیر اگلے دن وہ اپنی ایک پڑوسن کو بھی لے آئیں کہ اسکے بھی کچھ مسائل ہیں اسکو بھی تعویذ دے دیں، ہم نے اسکو بھی تعویذ دے دیا اور اسکے بعد کچھ ہی دنوں میں ٹیوشن چھوڑ دی معلوم نہیں اسکا کام ہوا کہ نہیں لیکن اسکے بعد اللہ سے اس کام کے لئے ہمیشہ ہمیشہ کی توبہ کی اور یہ بات بھی اس دن ہمیں واضح سمجھ آ گئی کہ یہ سارا نفسیات کا کھیل ہے اور کچھ نہیں۔

ادبی مجلس نیو مالڈن لندن

ایک دن محترم مبارک صدیقی صاحب کا فون آیا کہ 9/ اکتوبر بروقت دوپہر ایک ادبی مجلس نیو مالڈن میں ہو رہی ہے۔ جو کہ عبدالسلام امینی صاحب کروا رہے ہیں اگر ممکن ہو تو ضرور آئیں۔ خاکسار کچھ دیر سے پہنچا۔ جبکہ مجلس شروع ہو چکی تھی۔ محترم مبارک صدیقی صاحب کلام پیش کر رہے تھے۔ محترم ڈاکٹر طارق باجوہ صاحب بھی تشریف رکھتے تھے۔ پچاس افراد سے زائد لوگ تھے۔ بڑی گہما گہمی تھی۔ لوگ خوب داد دے رہے تھے۔ لوگ مسکرا کر مزے لے رہے تھے۔ پھر طارق باجوہ صاحب نے بھی خوب اپنی شاعری سنائی۔ اس کے بعد خاکسار کو بھی موقع ملا۔ نماز سنٹر بھی موجود تھا۔ ظہر عصر کی نماز بھی ہوئی۔ باربی کیو کا انتظام تھا۔ امینی صاحب نے سب مہمانوں کی خوب خاطر تواضع کی۔ بڑی فراخدلی سے انتظامات کئے گئے تھے۔ کافی دور دور سے شائقین آئے ہوئے تھے۔ مقامی مجلس عاملہ کے افراد بھی موجود تھے۔ اس مجلس نے اردو ادب کی ترویج کے لئے اچھا کام کیا۔ آخر میں دعا ہوئی اور پروگرام کا اختتام ہوا۔

کیا آج قائد اعظم کا کوئی وارث زندہ نہیں؟

اصغر علی بھٹی نائیجر مغربی افریقہ

آج سے 77 سال قبل کے ستمبر میں بھی علماء قائد اعظم کی ذات پر کیچڑ اُچھال رہے تھے اور آج 77 سال بعد بھی یہ رکیک حرکات اُسی کیپیسٹی اور اسی کم ظرفی کے ساتھ جاری ہیں۔مگر افسوس فرق صرف اتنا ہے کہ اُس بدیشی حکومت میں تو قائد محترم کو اپنی ذات کے دفاع کا پورا پورا موقع مل گیا مگر آج اپنے ہی دیس میں اپنی ہی مسلم لیگی حکومت میں قائد کو تحفظ نام کی یہ سہولت میسر نہیں۔مثلاً 15 ستمبر 1945ء کو احراری راہنما مولوی مظہر علی اور خاکساری علامہ مشرقی نے کیچڑ اچھالا تو اگلے ہی دن ان کو آپ کا یہ گرج دار جواب بھی سننا پڑا ''......میری توجہ 17-18 تاریخ کے بعض ہندو اخبارات میں شائع ہونے والی مسٹر مظہر علی (احرار) اور مسٹر مشرقی (خاکسار) کی تقاریر کی طرف مبذول کرائی گئی ہے۔یہ امر موجب تکلیف اور لائق افسوس ہے کہ ان لوگوں کی خیس الحرکتی اور رذالت اتنی گہرائی تک جا پہنچی ہے کہ انہیں یہ ہدایت بھی ملی ہے کہ وہ میرے متعلق یہ اظہار کریں کہ میں مسلمان نہیں لیکن ان تقاریر میں میرے متعلق یا میری نجی زندگی کے خلاف لگائے گئے الزامات دجل وفریب کی پوٹلیاں ہیں......ایسا لگتا ہے کہ ان کے پاس ہمارے موقف یا لیگ کے مسلک اور پروگرام (جسکے لئے ہم جدوجہد جاری رکھے ہوئے ہیں) کے خلاف کوئی اور دلیل نہیں اس لئے یہ لوگ اب کمینگی پر اتر آئے ہیں اور اس ذریعے سے میرے بارے میں کذب بیانی پھیلا رہے ہیں مقصد اس کا یہ ہے کہ مسلمانوں کے جذبات کو مشتعل کیا جائے مجھے یقین ہے کہ کوئی مسلمان جو ذرہ بھر فہم وادراک کا حامل ہو وہ میرے خلاف اس قسم کے گھٹیا اور جھوٹے الزامات پر یقین کرنے کے لئے تیار نہیں ہوگا، جو ہندو پریس کے ذریعے نشر کیا جا رہا ہے۔

(ایسٹرن ٹائمز۔لاہور 25 ستمبر 1945ء)

مگر افسوس! آج وطن عزیز میں درجن بھر مسلم لیگز ہیں۔سینکڑوں مسلم لیگی لیڈر ہیں۔لاکھوں ورکرز ہیں بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ قائداعظم سے محبت کے دعویدار بے شمار ہیں کئی ایک تو قائد اعظم کو اپنا محبوب ہیرو گردانتے نہیں تھکتے۔جبکہ بعض تو ان سے روحانی لو لگائے بیٹھے نظر آتے ہیں۔بلکہ اب تو کئی ایک تو قائد اعظم ثانی ہونے کے بھی دعویدار بھی بن گئی ہیں۔مگر۔۔۔

مگر۔۔۔اس ساری بھیڑ بھاڑ کے باوجود بھی آج قائد محترم کا دفاع کرنے والا کوئی نظر نہیں آتا؟۔نہ عاشق نہ گھائل۔نہ لیڈر نہ ورکر اور تو اور وہ جو اُجلی اُجلی وردیاں پہنے اور بندوقیں اٹھائے قائد کے مقبرہ کے اردگرد چوکس تنے نظر آتے ہیں وہ بھی قائد کی نعش کی بے حرمتی پر خاموش ہیں۔کیوں آخر کیوں؟ میں ایک عام محب وطن پاکستانی کی توجہ اُس بدنصیب ہجوم کی طرف پھیرانا چاہتا ہوں جو ایک مردے کے کفن کی بے حرمتی میں مصروف ہے۔وہ اُس بدنصیب نعش کا مثلہ ہی نہیں کر رہے ہڈیوں کو ہی نہیں بھنجھوڑ رہے بلکہ اس کی بے حرمتی کی ہر ممکنہ حد کو پار کر رہے ہیں۔وہ بے باک گروہ اسمظلوم کا ہی نہیں اس کی بیوی بیٹی بہن اس کے والدین اس کے ساتھی اس کے دوستوں سب کی نعشوں کو قبروں سے اکھیڑ باہر لائے ہیں۔دکھ تو دیکھئے کوئی بھی انہیں روکنے والا نہیں۔یہ لاوارث وجود ہمارے محترم قائد بانی پاکستان کا ہے اور یہ مذموم فعل علماء کا ایک وفد مفتی فضل احمد چشتی صاحب کی سرپرستی کرنے میں مصروف ہے۔اگر ابھی تک کسی سرکاری افسر کی رگِ حمیت نہیں پھڑکی تو وقوعہ کا کھرا میں بتائے دیتا ہوں۔''مسلمانو جن کا کلمہ پڑھ کر تم مسلمان کہلواتے ہو تمہیں ان مقدس ترین ہستی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا واسطہ ہے مسٹر جناح کو پہچانو یہ شخص جو عرف عام میں قائداعظم مشہور ہے یہ قائداعظم نہیں ظالم اعظم ہے جس کو کافروں نے اپنے منصوبے کے تحت استعمال کیا اور پوری قوم کو غلامی کا طوق ڈال کر اپنا اور اپنے ہر طرح کے نظام کا غلام بنا لیا۔سیاست معیشت۔معاشرت۔تہذیب وتمدن،فکر وعمل،فقط عبادات کی اجازت بالکل دیگر مذاہب کی طرح۔اور یہ اجازت دنیا کے ہر جمہوری نظام کے ممالک میں ہے۔جس کے بانی یہود ونصاریٰ ہیں'' یہ الفاظ پاکستان کے مشہور بریلوی عالم دین جناب مفتی محمد فضل احمد چشتی صاحب کی طرف سے شائع کردہ پمفلٹ کے ہیڈنگ کے ہیں جسے یوٹیوب میں ان کی تقریر کے تھمب نیل کے طور پر بھی استعمال کیا گیا ہے۔آپ آج کل پاکستان کے ہنگامی دوروں پر ہیں۔شہر شہر دورے کر کے بریلوی عوام سے خطاب کر رہے ہیں جہاں ان کا بریلوی فرقے کی طرف سے والہانہ استقبال کیا جا رہا ہے۔آپ پر منوں گلاب کی پتیوں کی گل پاشی کی جاتی ہے آپ کے استقبال اور فرمودات کو فوری یوٹیوب پر آن ایئر کیا جا رہا ہے۔آپ کے لئے مولانا،حضرت صاحب،پیر صاحب،امام الغیرت اور مفتی عرب وعجم کے القابات استعمال کئے جا رہے ہیں۔آپ کا حالیہ موضوع قائداعظم کی ذات ہے جس پر آپ متعدد شہروں میں کلام کر چکے ہیں۔آپ کا سوشل میڈیا پر اپنا آفیشل پیج بھی ہے جس پر اپ کے قائداعظم کے خلاف ہرزہ سرائی والے تمام خطابات موجود ہیں۔

جناب فضل احمد چشتی صاحب نے نہ صرف قائداعظم کی ذات پر نازیبا حملے کئے ہیں انہیں ظالم اعظم ، ذلیل اعظم ، مکار اعظم کھُسرہ ، منافق ، لعنتی ، بے ایمان ،لواطت کروانے والا لونڈا ، بے غیرت ، دلا ، بت ، کہا ہے یہود و نصاریٰ کا ایجنٹ بتایا ہے بلکہ ان کی بیوی ، بہن اور بیٹی کے لئے انتہائی اخلاق سے گرے ہوئے الفاظ استعمال کئے ہیں ۔ وہ فرماتے ہیں:

’’آج اس پوسٹمارٹم کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ آج گورنمنٹ اس مسٹر جناح کو خدا اور رسول سے بڑا درجہ دے رہی ہے اللہ اور رسول کے فرامین پاؤں میں رُل رہے ہیں مگر جناح کی بات نیچے نہیں گرنے دیتے سرکاری غیر سرکاری ادارے اُسے پیغمبر اور خدا سے بڑا درجہ دئے ہوئے ہیں ۔ دوسری بات جب اس کو قائداعظم اوراس کی فاحشہ بہن کو مادر ملت کہا گیا ۔ جب اس کو قائد کہا گیا تو قوم کا بچہ بچہ اس کے پیچھے چل پڑا اسلئے دین کے تحفظ کے لئے ضروری ہے کہ میں آپ کو روشن کر کے بتاؤں کہ یہ تو یہود کے پیچھے چلنے والا ہے تا کہ لوگ اس سے نفرت کر کے اس سے منہ موڑ کر اس کے بت کو توڑ کر اللہ اور رسول کی طرف لوٹ آئیں ۔ یہ یہود کے پیچھے چلا ہے عیسائیوں کے پیچھے چلا ہے ۔ اب بتاؤ اس کے پیچھے چلنے والا رسول اللہ کے پیچھے کیسے چل سکتا ہے؟ اس لئے ضروری ہے کہ اس کا حقیقی رُخ پیش کیا جائے تا کہ قوم اس سے نفرت کھا کے اس انگریزی بت کی طرف پیٹھ کر کے اللہ اور رسول کے پیروکار بن جائیں ۔ یہاں بھی بات کرتے ہیں وہاں اس بت کو جواب میں پیش کر دیا جاتا ہے کہ قائداعظم نے یہ کہا اور مادر ملت نے یہ کہا ۔ گویا ساری یہودیت کے جواز میں اس کو پیش کیا جاتا ہے تو اس لئے ہمارا فرض ہے کہ اس بت کو توڑ کر پاش پاش کر کے دور پھینک دیں تا کہ نبی کی شریعت کے راستے میں یہ بت رکاوٹ نہ بن سکے ... نعرے .. قسم خدا کی یہ قائداعظم نہیں ظالم اعظم تھا میں پھر دہراتا ہوں کہ خدا کی قسم یہ قائداعظم نہیں ظالم اعظم تھا میں ابھی دلائل سے پیش کروں گا ۔ اس کا صحیح لقب قائداعظم قائد والے ق سے نہیں کشمیر والے سے ہے ۔ کائد کا مطلب ہوتا ہے مکار ۔ یہ قائداعظم نہیں مکار اعظم ہے ۔ کسی نے اس کو کہا کہ یہ اسلام کا نشان ہے ۔ اگر یہ اسلام کا نشان ہے تو وہ تمام بے غیرت ... (آ گیا انتہائی غلیظ الفاظ ہیں) وہ کیوں اسلام کے نشان نہیں ہو سکتے؟ ... اگر ایسا شخص اسلام کا نشان ہو تو اُمت کو ایسے بُرے نشان کو مٹانا واجب ہے ... (آ گیا انتہائی نازیبا الفاظ ہیں) .. لکھ دی لعنت اس پر جو اس ... (غلیظ ترین گالی) کو ولی کہتا ہے ۔ اگر یہ ولی اللہ ہے تو سلطان راہی اور گاندھی تو اس سے بڑے ولی ہوئے بلکہ وہ تو اس حساب سے اس کے مقابلہ میں نبی ہوئے ... اب میں اس کی زندگی کا دو قسطوں میں اس کا پوسٹمارٹم کروں گا پہلے حصہ میں اس کے خاندانی حالت اور دوسرے حصے میں اس کی سیاست کا بتاؤں گا ۔ یہ خوجہ برادری میں سے آغا خانی اسمٰعیلی شیعہ ہے یعنی شیعوں میں سے بدترین قسم ہے ۔ بعد میں اس نے اثناء عشری شیعوں میں رجوع کیا ۔ پہلی شادی ان کی شیعوں میں ہوئی ۔ بعد میں یہ بن گیا لبرل ۔ لبرل کا مطلب ہے جو انتہا درجے کا منافق ہو ۔ وہابیوں کے ہاں وہابی بن جائے بریلویوں کے ہاں بریلوی بن جائے ۔ ہندوؤں میں ہندو سکھوں میں سکھ ۔ یعنی جوانی میں شیعہ اور بعد میں لبرل ۔ بریلویو! آپ کا مرشد کہتا ہے کہ شیعہ پانی پی لے تو برتن دھونا نہیں توڑ دو ۔ اب تم کو اس شیعہ کو قائداعظم کہتے حیاء نہیں آتی ۔ تعلیم اس نے عیسائی مشنری سکول میں پائی ۔ اس کا باپ مشنری سکول کا ٹیچر تھا ۔ یہ سکول تو انگریزوں نے عیسائیت سکھانے کے لئے کھولے تھے اب اپنے ایمان سے بتاؤ کہ جس کا باپ عیسائی مشنری سکول کا ٹیچر تھا جو لوگوں کو عیسائیت سکھاتے تھے ایسے سکول میں انہوں نے اپنی لعنتی تعلیم کا آغاز کیا ۔ لکھ دی لعنت ... (پھر یہ ایک انگریز فریڈرک کرافٹ جو آپ کو بیٹا کہتے تھے کا مزاق اڑاتے ہیں) ... پھر انہوں لنکنز ان میں داخلہ والی روائت کہ میں ایک دن گزرا اور اس کے دروازہ پر دنیا کو قانون دینے والی عظیم ہستیوں کی لسٹ آویزاں تھی اور اس لسٹ میں سب سے اوپر آپ ﷺ کا نام لکھا ہوا تھا چنانچہ میں نے فیصلہ کیا کہ میں قانون کی تعلیم اسی یونیورسٹی میں حاصل کروں گا یہ روائت بیان کر کے اس کا عجیب مزاق اڑایا گیا ہے اور خلاصہ یہ نکالا گیا ہیکہ اگر آپ کو اسلام سے محبت ہوتی تو یہودیوں کے اس یونیورسٹی میں کبھی داخلہ نہ لیتے کیونکہ یہودیوں نے تو دنیا کو کفر دیا ۔ اس لئے جو یہودیوں کو انصاف دینے والا قانون دینے والا سمجھے وہ کافر مرتد اور دائرہ اسلام سے خارج ہے ۔ ۔ ۔ آگے ایک غلیظ نظم ہے جس کا عنوان ہے ’’ذلیل اعظم‘‘ جس میں قائداعظمؒ کو جی بھر کر کوسنے اور گالیاں ہیں .. او لعنتی پروفیسر اس مسلمان قوم کو برباد کر گئے یہ تین دفعہ دہرایا ہے ... یہودی تعلیم کا آپ پر کیا اثر ہوا (گالی سے مخاطب) اور انگزیت کا مذاق اور اس کے بعد آپ کے کلین شیو

کرانے پر آپ پر انتہائی گھٹیا الزام لگایا ہے کہ انگریز کلین شیو سے بدفعلی پسند کرتے ہیں اس لئے آپ نے کلین شیو کروالی۔ آپ نے اپنے والد کو خط لکھا کہ اب میں نے گانا بجانا ڈانس ناچ سیکھ لیا ہے اب میں پیسے بہت کماؤں گا کیونکہ میں اب خسرہ بن گیا ہوں۔ گوان کا باپ مشنری سکول کا ماسٹر تھا پھر بھی مشرقیت کی وجہ سے اس نے جوابی خط لکھا اپنے خاندان سے غداری نہ کرو، کنجر نہ بنو، شرم کرو، حیاء کرو۔ دنیا ہمیں کیا کہے گی۔ پتہ چلا کہ وہاں پر تعلیم نہیں بلکہ یہودی، کنجر اور دلاّ بنایا جاتا ہے... پھر واپس آ گئے۔ رتی جناح سے شادی کر لی۔ یہ پہلے مجوسن تھی۔ آنکھ مٹکا ہوا۔ اس کے حسن اور ننگے ہونیکے چرچے پوری دنیا میں تھے۔ اس کے والد نے عدالت سے حکم امتناع لے لیا۔ دو سال بعد آخر ایک دن رتی ڈیوڑھی پھلانگ کر ان کے پاس گئی اور دو دن کے بعد پھر انہوں نے نکاح کر لیا۔ اب سنو اس بی بی کے لباس کا حال سنو۔ جب اس کی ووہٹی سے کوئی ملتا تھا اس کا دل پھنس ہی جاتا تھا۔ کہتا ہائے، اوئے ہوئے، ایڈی سوہنی... آگے رتی بائی کا انتہائی غلیظ الفاظ کے ساتھ مذاق اڑایا گیا ہے... اپنی رن (بیوی کی بجائے رن کا لفظ استعمال کرتے ہیں) کے ساتھ لندن کے تھیٹروں میں گھومتے۔ ننگوں کا دیس اور ان کے تھیٹر بھی ننگے اور یہ وہاں اپنی رن کے ساتھ تھیٹر دیکھ رہے تھے کہ عجلت میں دردِ زہ ہوئی تو اسی دوران ان کی وینا بیٹی پیدا ہوئی۔ اب بتاؤ جس دل کے اندر حیاء نہ ہو جو... (آگے پنجابی غلیظ الفاظ ہیں)... وہ ہمارا لیڈر کیسے ہو سکتا ہے؟... آگے انتہائی اشتعال انگیز اور غلیظ ناقابل ذکر الفاظ ہیں... ہر جنس اپنی جنس کے ساتھ اڑتی ہے۔ جانور جانوروں کے ساتھ کتے کتوں کے ساتھ رہتی ہے۔ اب قوم بھی بے غیرت ہو گئی ہے اس کے ہڈوں میں بے غیرتی رچ بس گئی ہے اس لئے انہوں نے بھی کہا کہ یہی ہمارا قائد، یہی ہمارا پیغمبر، یہی ہمارا خدا، یہی ہمارا سب کچھ۔ ملاں چپ، پیر چپ، یہ قائد اعظم ہو ہی نہیں سکتا اور یہ مسلمانوں کا لیڈر ہو ہی نہیں سکتا جو مسلمانوں میں یہودیت اور بے غیریت پھیلانا چاہتا تھا جو نہ صرف اپنی رن اور بیٹی کو لے کر تھیٹروں میں پھرتا تھا بلکہ ساری قوم کی عورتوں کو ایسا بنانا چاہتا تھا کیونکہ اس کی رگ رگ میں انگریزیت رچی ہوئی تھی''۔

https://youtu.be/ADXRap0gl3Q)
زیر عنوان مسٹر جناح کی حقیقت

آپ کے دوسرے خطاب کا عنوان ہے مسٹر جناح اور ملکہ وکٹوریہ۔ خطاب شروع کرتے ہوئے آپ اپنے سامعین سے پوچھتے ہیں ''کیا آپ ایک ایکڑ زمین میرے نام لگوا سکتے ہیں؟ مجمع سے سوال کا جواب تھا نہیں تو پھر بتایئے کہ کیا انگریز اتنا ہی سادہ تھا کہ اُس نے کہا محمد علی جناح سے کہا کہ یہ سارا دیس لے لو میں جا رہا ہوں۔ کوئی میرے اس سوال کا جواب دے سکتا ہے؟ اتنا سخی؟ اس نے گاندھی کو کہا کہ تین حصے آپ لے لو۔ ایک حصہ جناح تم لے لو۔ ایک حصہ مصر والو تم لے لو۔ ایک حصہ عرب والو تم لے لو بس لے لو کوئی مسئلہ نہیں لے لو۔ اتنا بڑا سخی؟ کوئی اس سوال کا جواب نہیں دے سکتا؟ جواب کیسے آئے گا میرے جیسے فقیر کے علاوہ کسی کے دماغ میں آج تک یہ سوال آیا ہی نہیں۔ اب سنو میں تمہیں اس کا جواب بتاتا ہوں سنو یہودیوں نے سو سال قبل اقوام متحدہ کا منصوبہ بنایا۔ اس کو عالمی حکومت کہتے ہیں۔ دولت مشترکہ اس کا دوسرا نام ہے۔ یہود نے کہا کہ ہم پیچھے بیٹھ جاتے ہیں اور یہاں اپنے سکولئے یعنی سٹوڈنٹ چھوڑ دیتے ہیں۔ ملکہ وکٹوریہ جو سب سے بڑی کنجری تھی جس کو ہمارا بے ایمان بابا کہتا ہے کہ وہ ایک نیک صالح بی بی تھی۔ آگے تمسخر اڑایا جاتا ہے بابے اور ملکہ وکٹوریہ کا... وہ عورت جو روز اپنے یار بدلتی تھی یہ ہمارا بابا اس کو کہہ رہا ہے نیک صالح بی بی۔ اب بتاؤ جس کے نزدیک انگریز عورتیں نیک ہیں تو وہ کنجریوں کو کیا سمجھتا ہوگا؟ غوث یا قطب؟۔ اس کنجری نے پاکستان کے بننے سے سو سال قبل یہ اعلان کر دیا تھا کہ جب ہماری تعلیم کے نتیجے میں ایسے افراد تیار ہو جائیں گے جو ہماری حکومت چلانے کا کام کر سکیں گے ہم واپس چلے جائیں گے۔ انگریزوں نے یوں کہا کہ ہم اپنے سکولوں میں کالے انگریز تیار کریں گے۔ پس جب وہ کالے انگریز دلّے بن گئے جو اپنی باجیوں کو ہر طرف بھیجنے والے تھے۔

الیکشن بھی اپنی باجیوں کو لڑائیں گے اور دفاتر میں بھی بٹھائیں گے ہمارا کفر کا قانون چلائیں گے اور ہمیں سلیوٹ ماریں گے اور اپنی قوم کو بوٹ ماریں گے۔ اور قرآن پر بم ماریں گے۔ افغانستان کو آگ لگا کر جلائیں گے۔ اور جو انگریز کے خلاف بولے گا اس کو جیلوں ں میں ٹھونسیں گے۔ اس طرح کے جب کتے کے پتر تیار ہو جائیں گے تو ہم دیس ان کو دے کر پیچھے چلے جائیں گے۔ یوں تم لوگ ہمارے نیچے اور تمہاری قوم تمہارے نیچے اور

ہم خود شیطان کے نیچے۔ آگے تمسخر ہے...اور یوں اُس نے پلیٹ میں رکھ کر دے دیا پاکستان...مسلم لیگ نہیں مجرم لیگ کیونکہ جتنے کنجر تھے سب اس میں تھے۔

جتنے نواب تھے سب اس میں تھے۔ سب لُچے اُس میں تھے۔ ان سب لچوں کا مجموعہ بن گئی مسلم لیگ۔ دہلی 10 اپریل 1946 مسٹر جناح مقالہ پڑھتے ہوئے فرمارہے ہیں کہ ہم کس کے لئے لڑ رہے ہیں ہمارا مطمع نظر کیا ہے؟ (...غلیظ الفاظ...سخت اشتعال انگیز الفاظ۔۔ جو جناح کو رحمۃ اللہ کہے اس پر لعنت) مذہبی حکومت قائم کرنا نہ ہی ہمارا مقصود ہے۔ اب بتاؤ دس لاکھ بندہ قتل ہوا مسلمانوں کی بیٹیاں بہنیں انھوں نے اپنی عزتیں بچانے کے لئے کنوؤں میں چھلانگیں لگائیں۔ یہ مسلمان مسلم لیگ کے ساتھ کیوں لگے تھے اب بتاؤ یہ سب انگریز کے قانون کے لئے ہوا تھا یا رسول اللہ کے قانون کے لئے؟ اب بتاو اس لعنتی نے کیوں منافقت کی؟ اس نے کیوں کہا کہ مذہبی حکومت ہمارا مقصود نہیں؟...پھر یہ جناح کہتا ہے کہ اب ہم کو اس بات کو نصب العین کے طور پر اپنے سامنے رکھنا چاہئے اور پھر آپ دیکھیں گے کہ جیسے جیسے زمانہ گزرتا جائے گا نہ ہندو ہندو رہیگا نہ مسلمان مسلمان جواب لکھ دی لعنت۔ وہ جناح بات کرتا تھا انگریزی میں۔ عوام جاہل تھی اُس کو پتہ نہیں چلتا تھا اور جن کو پتہ چلتا تھا وہ سارے سؤر اُس کے ساتھی تھے۔ اگر اُس وقت ہماری دیسی قوم کو پتہ چل جاتا تو اُس نے اس تیلے پہلوان دے کڈوٹ دینے سان کہ اے بے ایماناں توں ساڈا دس لکھ اس واسطے قتل کروایا‘‘

https://youtu.be/F5wnBi_vA3s

زیر عنوان ملکہ وکٹوریہ اور مسٹر جناح فضل چشتی صاحب احراری لیڈر مظہر احمد مظہر کی طرح فوت شدہ نہیں ہے۔ زندہ ہیں۔ اور آج کی تاریخ میں آپ کی حکومت میں شہر شہر دورے کر رہے ہیں۔ آپ کے تمام افکار عالیہ انٹر نیٹ پر ببانگ دہل موجود ہیں آپ ببانگ دہل قوم کو مشتعل کر رہے ہیں کہ اس بت کو اکھاڑ پھینکا جائے بلکہ پاش پاش کر دیا جائے۔ تو عرض صرف اتنی ہے کہ پھر نہ آپ ایک دن کسی پروگرام میں یہ حسرت کا اظہار کر رہے ہوں کہ قائد کے مزار کی حفاظت نہ کرنے کی وجہ سے ہم شرمندہ ہیں۔ شرمندگی بھول چوک میں کوئی وار کر جائے اور دفاع نہ ہو سکے تو اس پر ہوتی ہے واضح سامنے کھڑا دشمن للکار کر حملہ کرے اور اس کا دفاع نہ ہو سکے تو وہ بزدلی ہوتی ہے اور میرا خیال ہے کہ ہمارا وزیر اعظم بزدل نہیں ہے آگے بڑھئے اور قائد محترم کی ذات و افکار کی حفاظت کا فریضہ نبھایئے۔

راز کی بات آج کی رات

برطانوی مسلح افواج کے سربراہ فیلڈ مارشل برنارڈ منٹگمری نے ریٹائرمنٹ کے بعد برطانوی وزیر اعظم سے ملاقات میں درخواست کی کہ میں اب بوڑھا ہو چکا ہوں، ریٹائرمنٹ کے بعد سوائے پنشن کے کوئی ذریعہ آمدنی نہیں۔ کرائے کے مکان میں رہتا ہوں، بار بار مکان کی تبدیلی میرے لئے بہت تکلیف دہ ہے۔ گزارش ہے مجھے ایک مکان اور تھوڑی سی زرعی زمین الاٹ کر دیں تاکہ میں زندگی کے باقی ایام پرسکون طریقے سے گزار سکوں۔ وزیر اعظم نے تحمل سے ساری بات سنی اور پھر جواب دیا:

مسٹر منٹگمری، یقینا آپ ہمارے قومی ہیرو ہیں۔ عالمی جنگ میں آپ نے تاج برطانیہ کے لئے شاندار خدمات دی ہیں جس کی ساری قوم معترف ہے لیکن جنرل صاحب، آپ کو اس قومی خدمت ہر ماہ معقول معاوضہ دیا جاتا رہا ہے۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ حکومت نے کسی مہینے آپ کو تنخواہ ادا نہ کی ہو یا پھر کبھی آپ کی تنخواہ لیٹ ہو گئی ہو۔ اب جبکہ آپ ریٹائرڈ ہو چکے ہیں اور ریاست کے لئے کوئی خدمت سرانجام نہیں دے رہے اس کے باوجود برطانوی حکومت اپنے عوام کے ٹیکسوں کی رقم سے آپ کو ہر ماہ معقول پنشن دے رہی ہے۔ مسٹر منٹگمری، بطور وزیر اعظم میں عوام کے حقوق کا محافظ ہوں اور ملکی آئین کے مطابق عوام کے ٹیکسوں کے پیسے کو اپنے لئے یا کسی دوسرے کے لئے خرچ کرنے کا مجھے کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ میں آپ سے معذرت خواہ ہوں۔

منٹگمری سابق آرمی چیف تھا، فیلڈ مارشل بھی تھا۔ برطانوی حکومت کو کئی جنگیں جیت کر دے چکا تھا۔ بقول شخصے منٹگمری جاگتا تھا تو قوم سکون سے سوتی تھی۔ اس کے باوجود انکار سن کر اس نے غصہ نہیں کیا۔ اس نے وزیر اعظم کا شکریہ ادا کیا، ساتھ بیٹھ کر کافی پی اور ان سے ہاتھ ملا کر اپنے کرائے کے مکان کی طرف چلا گیا۔ یہ وہ قوم ہے جس نے ایک طویل عرصہ تک دنیا پر حکومت کیا اور ایک ہم ہیں۔۔۔۔

عادت

نیاز جیراجپوری

ہوتی رہتی مجھے ندامت ہے
بُھول جانے کی مجھکو عادت ہے
یاد اِتنا بھی اب غنیمت ہے
بُھول جانے کی مجھکو عادت ہے
یاد کرنا بھی یاد رہتا نہیں
بُھول جانا بھی بُھول جاتا ہُوں
گاہے گاہے سفر سے یادوں کے
کچھ نہ کچھ بُھول کر ہی آتا ہُوں
میز پر رکھ کے مَیں قلم کاغذ
بُھول جاتا ہُوں اِستعمال اِن کا
یاد اشعار آتے وہ بھی نہیں
ایک پر اِک نزول تھا جِن کا
ایک کِردار جِس کا مَیں بھی ہُوں
وہ کہانی بھی بُھول جاتا ہُوں
یاد آتے نہیں وہ چہرے بھی
جِن کو آنکھوں سے دِل میں لاتا ہُوں
کچھ ضروری سامان لانے کو
جب بھی بازار کو میں جاتا ہُوں
ایسے میں ایسا بھی ہو جاتا ہے
پرس گھر پر ہی بُھول جاتا ہُوں
اب تو دھڑکا لگا یہ رہتا ہے
بُھول جاؤں نہ مَیں کہیں اُس کو
وہ مِلا تھا کبھی جہاں مجھکو
بُھول آؤں نہ میں وہیں اُس کو
صُبح سے دوپہر ہو جاتی ہے
لَوٹ آتی ہے شام بستی میں
یاد آتا نہیں کہ پچھلی شب
چاند نِکلا تھا یا تھا بدلی میں
کھول کر بند آلماری کو
ہاتھ ہر چیز کو لگاتا ہُوں
جِس کی مجھکو تلاش رہتی ہے
نام اُس کا ہی بُھول جاتا ہُوں
کِس کے کہنے پہ اُسکو ہاتھ اپنا
جانے کیا سوچ کر دِکھایا تھا
یاد آتا نہیں نجومی نے
میرے بارے میں کیا بتایا تھا
کون آیا تھا مجھسے مِلنے کو
کِس سے مِلنے کو مجھکو جانا ہے
کِس نے وعدہ وفا کِیا مجھ سے
کِس سے وعدہ مجھے نبھانا ہے
آج یا کل یا پرسوں رستے میں
کِس نے مُڑ مُر کے مجھکو دیکھا تھا
سوچتا ہُوں ہُوا تھا ایسا ہی ؟
یا کوئی خواب تھا جو دیکھا تھا
فون کرنا جِسے ضروری ہو
نام اُس کا ہی بُھول جاتا ہُوں
بات جو کرنی ہوتی ہے مجھکو
بات مَیں وہ بھی بُھول جاتا ہُوں
بُھولنے اور یاد کرنے میں
اُلجھنوں سے دو چار رہتا ہُوں
سَر کو لیکر نیاز ہاتھوں میں
دیر تک بیقرار رہتا ہُوں
جانے کیوں میری ایسی حالت ہے
جِس سے ہوتی مجھے ندامت ہے
مجھکو خود سے یہی شکایت ہے
بُھول جانے کی مجھکو عادت ہے

معروف ادبی گھرانا کا مقبول عام شاعر ندا فاضلی

(جبیں نازاں لکشمی نگر نئی دہلی بھارت)

اردو شعروادب میں چند معروف ادبی گھرانوں سے خاص وعام واقف ہیں۔ان میں میر انیس ، مضطرخیرآبادی، سیماب اکبر آبادی قیصر الجعفر ی کے گھرانوں کے علاوہ متعدد ادبی گھرانے اور ادبی خاندان ایک خاص مقام اور اہمیت رکھتے ہیں ، اگر چہ اس کی باضابطہ اب تک کوئی فہرست مرتب نہیں کی گئی...اگر تحقیق کی جائے تو اچھی خاصی فہرست تیار ہوجائے ۔ جس طرح دیگر فنون کے گھرانے عوام میں مقبول ومعروف ہیں مثلاً مصوری، فوٹوگرافی ،گلوکاری، سنگ تراشی، رقص موسیقی حتیٰ کہ اداکاری۔خاندانی فنون بن گئے،اوران پہ اردو کے علاوہ دیگر زبان انگریزی ہندی وغیرہ میں گراں قدر تحقیقی کام ہوئے لیکن اردو شعر ادب کے ادبی گھرانے کے تعلق سے کسی نے توجہ نہ کی ...لیکن ایک بار ماہنامہ شاعر (ممبئی) کے مدیر افتخار امام صدیقی صاحب نے بساط بھر کوشش کی اور اس موضوع پہ مختصر سا نمبر نکالا تھا۔بہرحال آج میں ندا فاضلی کے گھرانے کا مختصر جائزہ پیش کرنے جارہی ہوں۔

دعا ڈبائیوی: ندا فاضلی کے والد تھے ان کا نام مرتضیٰ حسین تھا ان کی پیدائش 13 جون 1900ء ڈبائی قصبہ میں ہوئی تھی یہ علاقہ علی گڑھ سے تھوڑی دور پر واقع ہے- 1947ء میں گوالیار سے ہجرت کرکے پاکستان چلے گئے۔یہ داغ کے جانشین نوح

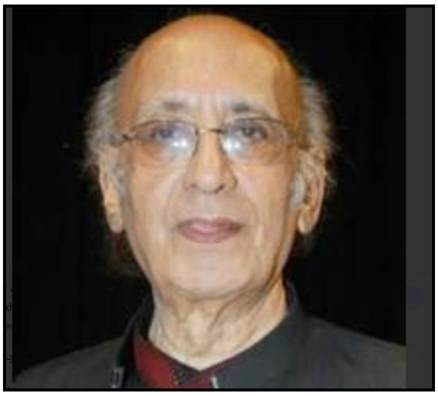

ناروی کے ممتاز شاگردوں میں شمار کیے جاتے ہیں۔ انھوں نے اردو ادب کو تین شعری مجموعے تصویر دعا، تاثیر دعا، اورتنویر دعا کے نام سے عطا کیے۔غزل، نظم، گیت اقطعات اور واسوخت جیسی اصناف پہ طبع آزمائی کی۔ان کی وفات 1985ء کراچی میں ہوئی ۔والد کے رحلت کی خبر سن کر ایک بچھڑا ہوا فرزند یعنی کہ ندا فاضلی نہایت سوگوار تھا ، لیکن وہ کراچی نہ جاسکا- کیونکہ اس وقت دونوں ملک کے درمیاں کشیدگی عروج پہ تھی انھیں ویزا نہ مل سکا لہٰذا یہ باپ کو آخری کاندھا دینے سے محروم رہ گئے،لہٰذا غم واندوہ میں ڈوبے ہوئے ندا فاضلی نے رقت آمیز ایک نظم لکھی۔

"میں تمھاری قبر پہ فاتحہ پڑھنے نہیں آیا"

ندا فاضلی نے کچھ دنوں بعد یہ نظم ملک روم میں سنائی تو ایک انگریز خاتون نے تعجب سے دریافت کیا آپ اب بھی باپ کو یاد کررہے ہیں؟ ہمارے یہاں تو باپ ہوتے ہی نہیں

ندا نے تاریخی جملہ کہا۔

’’آپ کے یہاں نہ باپ ہے نہ خدا ...ہمارے یہاں آخری وقت تک باپ موجود رہتا ہے...‘‘بہرکیف! دعا ڈبائیوی کے دو اشعار اور ایک رباعی ملاحظہ فرمائیں۔

دیکھا نہ دل کو اور سر طور چل دیئے
موسیٰ تمھارے پاس تو خود کوہ طور تھا

مرا مقصد تھا نہ تمھارا مقصد تھا
قسمت میں جو لکھا تھا وہ ہونا ضرور تھا

رباعی

رفتہ رفتہ حضرت زاہد ولی ہو جاؤ گے
کچھ ریاضت کی تو بے شک واقعی ہوجاؤ گے
صحبت پیر مغاں میں آکے بیٹھو تو سہی
آدمی اب تک نہیں ہو آدمی ہوجاؤ گے

جمیل فاطمہ

ندا فاضلی کی والدہ اور دعا باڈ ئیوی کی زوجہ بھی شاعرہ تھیں ان کی پیدائش دہلی میں ہوئی تھی، ان کا تخلص مخفی تھا۔اس دور کے رسائل "راہنما تعلیم" اور "عصمت" وغیرہ میں پابندی سے ان کی غزلیں شائع ہوا کرتی تھی ،شوہر کے ہمراہ یہ بھی کراچی چلی گئیں ۔افسوس کہ ان کا کوئی مجموعہ کلام شائع نہ ہوسکا۔ان کے اشعار سے لطف اندوز ہوں...

کوئی گلہ زباں پر نہ لایا جائے گا
وہ آئیں گے تو ہوش میں نہ آیا جائے گا
بولیں گے پھول کہ دے گی باد صبا کی چال
یہ رازِ دل ہے دل میں چھپایا نہ جائے گا

ماں کے انتقال کے بعد بھی ندا کراچی نہ جاسکے وہی ویزا کا مسئلہ اور دو ہمسایہ ملکوں کے درمیان کے تنازعات

....ماں کے انتقال پہ ندا نے نظم تحریر کی...

"ماں کراچی ہے ممبئی بچھڑا ہوا بیٹا۔-"

صبا فاضلی: ندا فاضلی کے چھوٹے بھائی ہیں۔ خوش فکر خوش گلو شاعر تھے مشاعرے میں جب اپنا کلام ترنم سے سناتے مشاعرہ لوٹ لیتے تھے۔چند سال ممبئی میں رہے شعلے نامی فلم بنی اس میں سلیم جاوید جوڑی کی کہانی اورمکالمے میں سلیم خاں کا نام صبا فاضلی تھا بہت کم لوگ واقف ہیں۔جاوید ،

جاوید اختر کے نام سے فلمی دنیا اور فلمی دنیا سے باہر عوام میں مقبولیت حاصل کرلی۔لیکن صبا فاضلی کا نام گمنام رہا، ان کا کوئی مجموعہ کلام منظر عام پہ نہ آسکا کیوں کہ یہ جوانی میں فوت ہوگئے۔

(حوالہ ماہنامہ شاعر ممبئی)

تسلیم فاضلی:: بھی ندا فاضلی کے بھائی ہیں ۔ان کا نام اصل اظہار انور تھا ان کی پیدائش دہلی 1947ء میں ہوئی، چونکہ یہ شیر خوار تھے والدین کے ہمراہ ہجرت میں شامل رہے۔کم عمری میں شعر موزوں کرنے لگے تھے صرف 21 سال کی عمر میں شوکت رضوی کی فلم عاشق میں پہلا نغمہ تحریر کیا۔ پھر پلٹ کر پیچھے نہیں دیکھا۔قلیل مدت میں ان کی علمی استعداد کا اعتراف دنیا کرنے پہ مجبور ہوئی اور ان کی شہرت وعظمت بلندی کے زینے طے کرنے لگی ...انھیں بہترین نغمہ نگار کا پہلا ایوارڈ 1967ء 1977ء نگار، ایوارڈ ملا۔اس کے بعد متعدد بار کئی بار مختلف ایوارڈ سے نوازا گیا۔

اس درمیان انھیں فلمی اداکارہ نشو سے عشق ہوگیا نشو طلاق یافتہ ایک بچی کی ماں تھیں۔نشو کو تسلیم فاضلی کی محبت کے اظہار نے حیرت واستعجاب کے سمندر میں ڈبو دیا...بہر کیف پھر جلد ہی دونوں ازدواجی بندھن میں بندھ گئے۔

لیکن انہیں یہ محبت راس نہ آئی تسلیم کے خاندانی دباؤ کی وجہ سے نشو نے علیحدگی اختیار کرلی۔ تسلیم نشو کو کسی طور کھونا نہیں چاہتے تھے اور نہ گھر والوں کا دل توڑنا چاہتے تھے۔لہٰذا وہ دوچکی کے پاٹ تلے پس کر رہ گئے۔یعنی کہ انھیں دل کا دورہ پڑا۔اور جانبر نہ ہوسکے 17اگست 1982ء عمر کے 35ویں سال عالم جوانی میں دار فانی کو الوداع کہہ دیا۔

آئیں اس ہردل عزیز شاعر کے کلام کے چند نمونے سے محظوظ ہوں۔

رفتہ رفتہ وہ میرے ہستی کا سامان ہوگئے
پہلے جاں پھر جان جاں پھر جان جاناں ہوگئے

آج عزیز لوگوں سے پوچھنا تو پڑتا ہے
آج کل محبت کی قیمتیں کہاں تک ہیں

کتنے ناداں ہیں تیرے بھولنے والے کہ تجھے
یاد کرنے کے لیے عمر پڑی ہو جیسے

خدا کرے محبت میں وہ مقام آئے
کسی کا نام لوں لب پر تمھارا نام آئے

مری تباہیوں میں تیرا ہاتھ ہے مگر
میں سب سے کہہ رہا ہوں مقدر کی بات ہے

ایک لمحے کی مسافت بھی بڑی ہوتی ہے
ہم کو تو عمر لگی یار تک آتے آتے

وسیم فاضلی: ندا فاضلی کی پھوپھی مرتضائی بیگم کے منجھلے صاحبزادے ہیں، یہ شاعر اور اردو کے پروفیسر تھے ایک ادبی رسالہ "جائزہ" کے مدیر رہے ۔کراچی کو اپنا وطن بنایا، اپنے ماموں دعا ڈبائیوی سے اصلاح لیتے تھے۔وہ نئے انداز کے شاعر تسلیم کیے گئے یہ پاکستان کہ کہنہ مشق شعرا میں شمار کیے جاتے ہیں۔

جذبات و خیالات کا اظہار ہے اردو
گویا لب خاموش کی گفتار ہے اردو

تم موت اسے کہہ لو میں تو یہ سمجھتا ہوں
افسانہ ہستی کا عنوان بدلتا ہے

محبت میں بری نیت سے کچھ سوچا نہیں جاتا
کہا جاتا ہے اس کو بے وفا، سمجھا نہیں جاتا

جھکا تا ہے یہ سر جس کی عبادت کے لیے اس تک
تیرا جذبہ تو جاتا ہے، سجدہ نہیں جاتا

امید فاضلی: ندا فاضلی کے تایا زاد بھائی تھے ان کے والد کا نام سید محمد فاروق تھا، امید فاضلی کا نام ارشاد احمد تھا ان کی پیدائش 13 نومبر 1922ء ضلع بلند شہر میں ہوئی یہ۔بھی کم عمری ہی سے شعر کہنے لگے ۔غزل ان کی پسندیدہ صنف ٹھہری، لیکن یہ ہر سال پابندی سے محرم کے موقع پہ مرثیہ کہا کرتے تھے۔ptv پر نہایت عقیدت واحترام کے ساتھ سوگوار ہوکر سامعین اور ناظرین کو مرثیہ سنایا کرتے ان کے ذریعہ سنایا گیا مرثیہ مجمع کو زار زار رونے پہ مجبور کرڈالتا ان کے مراثی کا مجموعہ "سرنینوا" کے نام سے شائع ہوا، "دریا آخر دریا" (غزلوں کا مجموعہ) میرے آقا" (نعتیہ مجموعہ) کے علاوہ بھی ان کے کلام کے کئی مجموعے شائع ہوچکے ہیں۔امید فاضلی کا انتقال 3 ستمبر 2005ء بروز جمعرات کراچی میں ہوا۔

(دبستانوں کا دبستان-جلد دوم مرتبہ احمد حسین صدیقی)

دلوں کو زخم نہ دو حرف ناملائم سے
یہ تیر وہ ہے کہ جو لوٹ کر بھی آتا ہے

ہوا کچھ ایسی چلی تھی کہ بکھر گئے ہوتے
رگوں میں خون نہ ہوتا تو مرگئے ہوتے

یہ سرد رات یہ آوارگی یہ نیند کا بوجھ
ہم اپنے شہر میں ہوتے تو گھر گئے ہوتے

اپنی فضا سے اپنی زبانوں سے کٹ گیا
پتھر خدا بنا تو چٹانوں سے کٹ گیا

آسمانوں سے فرشتے جو اتارے جائیں
وہ بھی اس دور میں سچ بولیں تو مارے جائیں

جانے کیسا زہر دل میں اتر گیا
پرچھائیں زندہ رہ گئی انسان مرگیا

گھر تو ایسا کہاں کا تھا لیکن
دربدر ہیں تو یاد آتا ہے

جو رت بھی آتی ہے ہم سے لہو مانگتی ہے

ہم کہاں تک تیرے مقتل کو سنوارے جائیں

ایک مرثیہ کا بند ملاحظہ فرمائیں:

لب جو کھولوں تو یہاں عجز ہنر کھلتا ہے
منزل آتی ہے تو سامان سفر کھلتا ہے
علم کے در سے اگر میری سفارش ہوجائے
کشتِ تخیل پر الفاظ کی بارش ہوجائے
علم آیات الٰہی کی برس میں تنزیل
اس کی آواز ہے داؤد کا لہجہ ہے خلیل
یہی قرآن کا دعویٰ یہی دعوت کی دلیل
یہ وہ اجمال ہے ممکن نہیں جس کی تفصیل
یہ رگِ میں خوں بن کے رواں ہوتا ہے
اس کی آغوش میں وجدان جواں ہوتا ہے

ندا فاضلی: کی پیدائش 12 اکتوبر 1938ء دہلی میں ہوئی۔ان کے والد دہلی میں پے در پے فرقہ وارانہ فساد برپا ہونے کے سبب ہجرت کرنے کا فیصلہ کیا اور سندھیا خاندان کے راجا کے شہر گوالیار چلے آئے تھے، تقسیم کے بعد ان کے والدین اور خاندان کے افراد پاکستان چلے گئے، لیکن فاضلی بھارت چھوڑنا کسی طور نہیں چاہتے تھے بادل ناخواستہ خاندان کے ہمراہ گھر سے روانہ ہوئے ،لیکن بیچ راہ سے فرار ہوگئے۔۔

جوکھم بھرا فیصلہ ان کے لیے انتہائی تکلیف دہ ثابت ہوا۔بے سروں ساماں۔والدین سے بچھڑنے کا صدمہ اور تمام مصائب بہرحال انھوں نے برداشت کیا۔

ابھی گوالیار کے کالج میں تعلیم حاصل کررہے تھے، کہ اپنے سامنے والی سیٹ پر بیٹھنے والی لڑکی سے انھوں نے یکطرفہ، انجانا اوران چھوا رشتہ قائم کرلیا۔ وہ آج کا دور نہیں تھا جہاں اظہار محبت بغیر شرم وحیا بے لاگ لپیٹ کردیا جاتا ہے۔تب تو اتنی بندشیں تھیں کہ ایک عاشق کہہ لیں یا شریر لڑکپن بھی سماجی بندشوں اور تہذیبی روایت کی دہلیز کے سامنے دم سادھے کھڑا رہتا تھا۔احساسات وجذبات کا طوفاں روایتی اقدار سے سرٹکرا کر پاش پاش ہوجاتا تھا۔ جسے بالآخر مقدر مان لیا جاتا تھا۔

انھی تہذیبی اقدار کے زیر سایہ مقتدیٰ حسن کے دل کے آنگن میں پڑی ہوئی بیج پھوٹ کر پودا بن گیا۔اچانک کالج کے نوٹس بورڈ پر ایک نوٹ چسپاں ہوا جس نے ندا فاضلی کے وجود کو گویا کہ ایک دھماکے سے ریزہ ریزہ کردیا۔نوٹس بورڈ پر درج تھا' کماری ٹنڈن کا ایکسیڈنٹ ہوا، جس کی وجہ سے ان کی موت واقع ہوئی' اس خبر سے ندا اندر تک لرز گئے اور بہت غمزدہ ہوئے۔لیکن اپنی تکلیف کے اظہار کے لئے ان کے پاس نہ تو الفاظ تھے اور نہ ہی سلیقہ اردو ادب میں انھیں ایک شعر بھی نہیں ملا جوان کے درد وغم کی ترجمانی کرتا ہو۔انھوں نے جو کچھ محسوس کیا اسے لکھنے کی کوشش کی لیکن اپنے دلی کیفیت کا پوری طرح اظہار کرنے میں کامیابی ملتی نظر نہیں آئی۔

سعی بسیار بعد ایک بات انھیں سمجھ آئی کہ قصور الفاظ میں نہیں بلکہ اظہار بیاں میں ہے۔ایک دن جب وہ صبح کے وقت مندر کے پاس سے گزر رہے تھے تو کسی کو سورداس کا ایک بھجن گاتے سنا۔

بس پھر کیا تھا؟ مقتدیٰ کے چلتے ہوئے قدم ٹھٹھک گئے اور سوچنے لگے میرے دل کی تکلیف کا احساس کسے ہوا ؟ اور کب ہوا؟؟ اور جب انھوں نے دریافت کیا تو میرؔ کے انداز میں کہا۔

ہم ہوئے تم ہوئے کہ میرؔ ہوئے
اس کی زلف کے سب اسیر ہوئے

پھر انھوں نے کبیر داس، تلسی داس، سورداس، بابا فرید وغیرہ صوفی دور کے تمام شعرا(بشمول انگریزی فارسی) پڑھ ڈالا۔ان شاعروں کو پڑھنے کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا کہ ان شعرا کی سیدھی سادی بغیر لاگ لپیٹ کی دوٹوک زبان والی ہی تخلیقات متاثر کن ہوا کرتی ہے۔

بس یہ حادثہ جو مقتدا حسین کے لیے سانحہ بن گیا اور یہ سانحہ انھیں ندا فاضلی بنا گیا مس ٹنڈن کی موت کی خبر نے اردو ادب کو ندا فاضلی شاعر عطا کیا۔

ذرا ٹھہریں! فاضلی کی وجہ تسمیہ بھی جان لیں کشمیر کا ایک علاقہ، فاضلہ، ہے۔ان کے اباواجداد کا تعلق اسی علاقہ سے تھا وہ ہجرت کرکے دہلی آبسے تھے۔اسی نسبت سے ندا گھرانے کے شعرا تخلص کے ساتھ فاضلی لکھنے لگے۔

ندا فاضلی نے گوالیار کالج سے گریجویشن کی تعلیم مکمل کی اور اپنے خوابوں کی تعبیر تلاش میں شہروں شہروں کی خاک چھانا کیے، کولکتہ، دہلی جیسے بڑے شہر میں خاطر خواہ انھیں کامیابی نہیں ملی ۔ بالآخر 1964ء میں ممبئی کا رخ کیا۔یہ وقت فلمی دنیا میں ساحر لدھیانوی شکیل بدایونی، مجروح سلطان پوری وغیرہ کی شاعری کا بول بالا تھا۔ان کے درمیان ایک بے سروساماں نوجواں ندا فاضلی کے لیے انتہائی مشقت اور صبر آزما دور تھا۔ساحر نے ندا کو اپنے گھر پناہ دی۔ان دنوں جاں نثار اختر بھی ساحر کے گھر پناہ لیا کرتے ساحر اور جاں نثار ندا سے مئے نوشی کا انتظام کرواتے تھے۔گویا ندا ساقی تھے اور یہ دونوں مئے خوار۔یہیں سے ندا کو شراب پینے کی لت پڑ گئی صحبت طالع طالع کند...کے مصداق بہر حال! ندا فاضلی کے لیے یہ وقت انتہائی کسمپرسی کا وقت تھا بے روزگار نوجوان والدین غیر وطن میں...

انھیں متعدد مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔اس درمیان انھوں نے دھرم یگ اور بلٹز جیسے اخباروں

میں لکھنا شروع کیا۔ اپنے انوکھے اندازِ تحریر کی وجہ سے ندا فاضلی تھوڑے ہی وقت میں لوگوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کرنے میں کامیاب ہوئے۔ اس دوران اردو ادب کے کچھ ترقی پسند مصنفین اور شعرا ندا سے کافی متاثر ہوئے اور انھیں ندا فاضلی کے اندر ایک ابھرتا ہوا شاعر نظر آیا۔

سبھوں نے ندا فاضلی کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے انھیں ہر ممکن مدد دینے کی پیش کش کی اور انھیں مشاعروں میں آنے کی دعوت دینے لگے۔ اُن دنوں اردو ادب میں ترقی پسند تحریک دم توڑ رہی تھی۔ ظاہر سی بات ہے نوجوان مروجہ نظام سے بغاوت کرتا ہے۔ اور نئے اقدار نئی تحریک نئے فیشن سے زیادہ متاثر ہوتا ہے، لہٰذا ندا بھی متاثر ہوئے اور ترقی پسند تحریک سے متنفر جدیدیت کی طرف راغب ہوتے نظر آئے اور یہ شعر کہہ ڈالا۔

سورج کو چونچ میں لیے مرغا کھڑا رہا
کھڑکی کے پردے کھینچ دیے رات ہو گئی

اس شعر پہ واویلا مچا اور ندا فاضلی کا بخیہ ادھیڑا گیا، ندا نے فوراً اپنا قدم روک لیا۔

ٹھہر کر سوچا۔ سنجیدگی سے شاعری کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور نیا انداز منتخب کیا۔ منفرد لب ولہجہ میں اپنی بات پیش کرنے لگے۔ کم عرصے میں ندا فاضلی ادب میں اپنی پہچان بنانے میں کامیابی حاصل کرتے ہوئے نظر آئے۔

ندا جہاں خالص ادبی شاعری کر رہے تھے، وہیں زندگی بسر کرنے کے لیے فلم میں بھی اپنا ہاتھ آزمانا چاہتے تھے چوں کہ ندا نو وارد تھے لہٰذا انھیں کافی جدوجہد کرنا پڑی، کئی فلموں کے لیے نغمہ تحریر کیا ،لیکن فلم کامیاب نہ ہو سکی ،لہٰذا ندا فلمی دنیا میں گمنام ہی رہے۔ 1980ء میں ریلیز ہونے والی فلم "آپ ایسے تو نہ تھے" کے لیے کئی نغمے تحریر کیے، ان نغموں میں سب سے زیادہ مقبولیت" تو اس طرح سے میری زندگی میں شامل ہے" کو ملی، پھر ندا کا قسمت کا ستارہ چمک اٹھا، اگر یہ کہا جائے کہ یہاں سے ندا کی زندگی کے عروج کی ابتدا ہوئی، اور فلمی دنیا میں اپنی شناخت بنانے میں کامیاب ہوئے۔ اس کے بعد کامیابی کا سلسلہ چل پڑا، "کبھی کسی کو مکمل جہاں نہیں ملتا۔" ہوش والوں کو کیا خبر بے خودی کیا چیز ہے ۔۔"۔جیسے متعدد مشہور نغمے ندا کی پہچان بن گئے، ان دنوں کمال امروہوی فلم "رضیہ سلطان بنا رہے تھے۔۔جاں نثار اختر کا اچانک انتقال ہو جاتا ہے ۔کمال امروہوی ندا سے رابطہ قائم کرتے ہیں ۔۔۔ندا نے اس فلم کی اسکرپٹ اور کئی مشہور نغمے تحریر کیا۔

تیرا ہجر میرا نصیب ہے
آئی زنجیر کی جھنکار خدا خیر کرے

ندا انسان دوست شاعر ہیں، وہ انسانیت کی بات کرتے ہیں، ان کے نزدیک پہلے انسانیت تب مذہب ہے، ندا کا ماننا تھا کہ ایک عام مذہبی آدمی کی فکر اپنے مذہب تک محدود ہو کر رہ جاتی ہے، جب کہ ایک انسان پوری انسانیت کے متعلق سوچتا ہے اور ہمہ وقت فکر مند رہتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ ملک کے تقسیم کو اسی عینک سے دیکھا اور ہجرت کو قبول نہیں کیا۔

ندا کی شاعری میں گنگا جمنی تہذیب ملے گی ، کبیر داس اور سور داس، بابا فرید شکر گنج، امیر خسرو، مرزا غالب، کا ہندستاں ملے گا، چشتی اور نانک کی پکار تو کرشن کی بانسری کی مدھر تان، رام کا بنواس بھی ۔ ہجر زدہ میرا کی تڑپ ملے گی ۔عبدالرحیم خان خاناں کے دوہا کی جھلک۔۔

مذہب کے نام پہ سیاست کرنے والے فرقہ پرست عناصر پر بانگ دہل لعنت ملامت کیا کرتے ،ندا کے فکری رویے کا اظہار ان اشعار میں دیکھیں!

ایک آدمی میں ہوتے ہیں دس بیس آدمی
جس کو بھی دیکھنا ہو کئی بار دیکھنا

بچوں کے چھوٹے ہاتھوں کو چاند ستارے چھونے دو
چار کتابیں پڑھ کر یہ بھی ہم جیسے ہو جائیں گے۔

ہر ایک گھر میں دیا بھی جلے اناج بھی ہو
اگر نہ ہو کہیں ایسا تو احتجاج بھی ہو

حکومتیں کو بدلنا تو کچھ محال نہیں
حکومتیں جو بدلتا ہے وہ سماج بھی ہو

دشمنی لاکھ سہی ختم نہ کیجئے رشتہ
دل ملے نہ ملے ہاتھ ملاتے رہیے

تم سے چھٹ کر بھی تمھیں بھولنا آسان نہ تھا
تم کو ہی یاد کیا تم کو بھلانے کے لیے

نقشہ اٹھا کے کوئی نیا شہر ڈھونڈ یئے
اس شہر میں تو سب سے ملاقات ہو گئی

جتنی بری کہی جاتی ہے اتنی بری نہیں ہے دنیا
بچوں کے اسکول میں شاید تم سے ملی نہیں ہے دنیا

یہاں کوئی کسی کو راستہ نہیں دیتا
مجھے گرا کر سنبھل سکو تو چلو

بدل رہے ہیں کئی آدمی درندوں میں
مرض پرانا ہے اس کا نیا علاج بھی ہو

کچھ لوگ یوں ہی شہر میں مجھ سے خفا ہیں
ہر ایک سے اپنی بھی طبیعت نہیں ملتی

ندا فاضلی کی غزلوں کو متعدد غزل گلوکاروں نے مثلاً جگجیت سنگھ، بھوپندر سنگھ چترا سنگھ مرزا گبن وغیرہ نے گائیں ۔ جو آج بھی اسی ذوق و شوق سے سنی جاتی ہیں۔

سفر میں دھوپ تو ہوگی جو چل سکو تو چلو

ہر طرف ہر جگہ بے شمار آدمی،
پھر بھی تنہائیوں کا خود شکار آدمی

دُنیا جسے کہتے ہیں جادو کا کھلونا ہے، مل جائے تو مٹی ہے کھو جائے تو سونا ہے۔

اپنا غم لے کے کہیں اور نہ جایا جائے
میں رویا پردیس میں بھیگا ماں کا پیار
بے نام سا یہ درد ٹھہر کیوں نہیں جاتا،
جو بیت گیا ہے وہ گزر کیوں نہیں جاتا
اپنی مرضی سے کہاں اپنے سفر کے ہم ہیں،
رخ ہواؤں کا جدھر کا ہے ادھر کے ہم ہیں
اب خوشی ہے نہ کوئی درد رُلانے والا
ہم نے اپنا لیا ہر رنگ زمانے والا

اس کے دشمن ہیں بہت آدمی اچھا ہوگا، وہ بھی میری ہی طرح شہر میں تنہا ہوگا۔

گرج برس پیاسی دھرتی کو پھر پانی دے مولا، چڑیوں کو دانے بچوں کو گڑ دھانی دے مولا

کچھ طبیعت اپنی ملی تھی ایسی ۔۔۔وغیرہ وغیرہ

ندا فاضلی کو ان کی کتاب "کھویا ہوا سا کچھ" پر 1998ء میں ساہتیہ اکیڈمی ایوارڈ ملا۔2013ء میں حکومت ہند نے انہیں ''پدم شری'' کے اعزاز سے نوازا۔جبکہ فلم "سُر" کے نغمہ " آ بھی جا،اے صبح آ بھی جا" کیلئے انہیں اسکرین ایوارڈ دیا گیا۔اس کے علاوہ مختلف ریاستی اردو اکیڈیمیوں نے انھیں انعامات سے نوازا۔ان کی شاعری اور دوہوں کا مختلف ملکی اور غیر ملکی زبانوں میں ترجمہ کیا جا چکا ہے۔

ان کے دوہے بھی خوب ہیں۔

بچہ بولا دیکھ کر مسجد عالی شان
اللہ تیرے ایک کو اتنا بڑا مکان
چھوٹا کرکے دیکھئے جیون کا وستار
آنکھوں بھر آکاش ہے باہنوں بھر سنسار
نقشہ لے کر ہاتھ میں بچہ ہے حیران
کیسے دیمک کھا گئی اس کا ہندستان
گھر کو کھوجنے رات دن گھر سے نکلے پاؤں
وہ رستہ ہی کھو گیا جس رستے تھا گاؤں
اس جیسا تو ملنا تھا دشوار
لیکن اس کی کھوج میں پھیل گیا سنسار
میں رویا پردیس میں بھیگا ماں کا پیار
دکھ نے دکھ سے بات کی بن چھٹی بن تار
وہ صوفی کا قول ہو یا پنڈت کا گیان
جتنی بیتے آپ پر اتنا ہی سچ مان

ندا نے جہاں والدین کی وفات پہ اپنے رنج وغم کا اظہار شعری پیرائے میں کیا، وہیں اپنی بیٹی کی خواہش پہ بھی ایک چھوٹی سی نظم لکھی۔جس کی موت کی خبر نے ندا کو شاعر بنایا،، وہ انھیں کیسے بھول سکتے تھے؟مس ٹنڈن کو ایک نظم میں یوں یاد کرتے ہیں ایک بند ملاحظہ فرمائیں!

ایک لڑکی یاد آتی ہے۔
جو ہونٹوں سے نہیں پورے بدن سے بات کرتی تھی
سمٹتے وقت بھی چاروں دشاؤں میں بکھرتی تھی
وہ لڑکی یاد آتی ہے۔
دنیا جب کبھی میرؔ، خسرو کی کہانی سناتی ہے
وہ لڑکی یاد آتی ہے، وہ لڑکی یاد آتی ہے

ندا فاضلی کی شادی عشرت جہاں سے ہوئی (یہ معلمہ تھیں) لیکن یہ شادی کامیاب نہ ہوسکی چند سالوں بعد دونوں میں علیحدگی ہوگئی ۔۔ایک عرصے تک ندا اکیلے رہے۔پھر ان کی زندگی میں مالتی جوشی آئیں جو پیشے کے لحاظ سے گلوکارہ تھیں ،ملتی جوشی کی عمر 26 سال اور ندا فاضلی تقریباً دوگنا بڑے 50 سال کے تھے ۔دونوں نے ایک ساتھ (Live in relation) رہنے کا فیصلہ کیا، مالتی جوشی آخر وقت تک رفیقہ حیات بن کر رہیں۔ندا اور مالتی ایک بیٹی کے والدین بنیں۔

ندا نے ایک انٹرویو میں کہا تھا شاعر ایک انسان ہوتا ہے۔اس کے اندر بھی بشری کمزوریاں ، کوتاہیاں پائی جاتی ہیں۔عوام کو چاہئے کہ شاعر کی نجی زندگی ، یا اس کی کمزوریاں کو نشانہ نہ بنائے ، بلکہ یہ دیکھنے کی کوشش کرے کہ شاعر یا فن کار اپنے فن کے ذریعے معاشرے کو کیا پیغام دے رہا ہے۔

ندا نے مندرجہ ذیل اشعار پہ ہو رہے چوطرفہ اعتراضات کے جوابات میں کہی تھی۔جسے سب سے پہلے ان کے دوست شکیل اعظمی نے نشانہ بنایا تھا

گھر سے مسجد ہے دور چلو یوں کرلیں
کسی روتے ہوئے بچوں کو ہنسایا جائے
اُٹھ اُٹھ کے مسجدوں سے نمازی چلے گئے
دہشت گردوں کے ہاتھ میں اسلام رہ گیا

ندا ایک بار پاکستان مشاعرہ پڑھنے گئے۔عوام نے ان کا محاصرہ کرلیا ان پہ سوالات کی بوچھاڑ کر ڈالی کہ آپ نے یہ شعر کیوں کہا؟

گھر سے مسجد ہے دور...

آپ کے نزدیک نماز سے زیادہ افضل کسی بچے کو ہنسانا ہے؟ یہ کھلم کھلا اسلامی فریضہ سے روگردانی ہے

ندا نے جواب دیا۔

مجھے یہ بتاؤ مسجد کس نے بنائی؟ مسجد انسان نے بنائی ہے،اور بچہ اللہ نے بنایا ہے، میرے نزدیک انسان کی بنائی ہوئی عمارت سے افضل اللہ کی سب سے عمدہ تخلیق ہے۔

ندا کی شاعری میں بچوں کا ذکر وافر ملتا ہے۔

ندا انسان دوست شاعر ہیں ۔ان کی شاعری میں انسانیت کا فلسفہ، محبت واخلاص کا درس...زمانے کی بے ثباتی، سیاست کا گھناؤنا چہرہ...مذہب کے نام پہ ہو رہے تشدد کے خلاف احتجاج ۔نسلی ،لسانی ، مذہبی ، مسلکی وطنی تعصب پسندی کا انکار ملے گا۔

8 فروری 2016ء حرکت قلب بند ہوجانے کے سبب ندا فاضلی کا انتقال ہوگیا۔اس طرح ایک ادبی گھرانے کی آخری شمع بھی گل ہوگی۔

عبدالصمد صافی

جو آتا ہے وہ کھاتا ہے کوئی کھا کر لگاتا ہے
گھرا ہے ملک میرا تو عجب وحشی بلاؤں میں

تقاضہ بھوک کا تھا سو مسافت چھوڑ کر نکلے
ابھرتی نوجوانی میں شرارت چھوڑ کر نکلے

جو کل تک درس دیتے تھے محبت کا اخوت کا
معزز ہو تو پھر شرافت چھوڑ کر نکلے

وہ آنگن، چارپائی، محفلیں، ٹھنڈی فضا اور ہم
جو بس خوابوں میں آتی ہے وہ فرصت چھوڑ کر نکلے

میں اور کیا کیا مثالیں دوں وفاداری کی اے لوگوں
ہمیں موقع ملا پھر بھی نہ بھارت چھوڑ کر نکلے

تمہیں آتا نہیں آواز بننا قوم و ملت کی
یہ چوڑی ہاتھ میں پہنے قیادت چھوڑ کر نکلے

عجب یہ رنگ بھی دنیا کا ہم پر ہو گیا ظاہر
اگر ہو سامنے زر تو صداقت چھوڑ کر نکلے

TRANSLATIONS
ENGLISH - URDU
ATA TAHIR
DPSI ENGLISH LAW
IOLET DIPLOMA IN PUBLIC SERVICE
Interpreting Urdu-English Law
07818210181
atatahir@hotmail.com

HEATING LTD.
24/7
EMERGENCY SERVICE
Domestic & Commercial
Contact: 07722 222 965
www.247breakdownsolution.co.uk

H@T
IT SERVICES
Hardware • Application • Technology
HAT IT Services is becoming an IT Solution provider in innovative Hardware and Software Solutions that enable businesses to transform into digital enterprises for the ultimate competitive advantage.
- Laptop Repairs
- Computer Repairs
- Virus / Malware Removal
- Data Recovery
- System Optimization
- Home / Office Networking
- Server Installation
- Infrastructure & Networking
- Web & Application Development
- Sales & Purchase
- CCTV Installation & Maintenance

T: 0203 524 7530
www.hatservices.com
106 High Street, Colliers Wood SW19 2BT

Concept 2Print
DIGITAL LITHO
A Complete Design & Print Service
CONCEPT • DESIGN • PRINT • FINISH
- Business Cards
- Folders
- Booklets
- Books
- Wedding Cards
- Letterheads
- NCR Pads
- Calendars
- Flyers
- Greeting Cards
- Compliment Slips
- Brochures
- Posters
- Pull up Banners
- Invitation Cards

t:0203 603 7582 e:info@concept2print.co
e:info@concept2print.co.uk
106 High Street-Colliers Wood-London-SW19 2BT
WWW.concept2print.co.uk

SARMAD GLOBAL

CHARTERED ACCOUNTANTS

QUALIFIED CHARTERED ACCOUNTANTS
WITH BIG 4 EXPERIENCE

FREE TELEPHONE / EMAIL & WHATSAPP SUPPORT

- ✓ Company incorporation / Registered Office Address
- ✓ Personal Income Tax Return investigations,
- ✓ Rental Income Tax Returns
- ✓ UK State Pension Entitlement Review
- ✓ Advice on filling Gaps in UK State Pension
- ✓ UK State Pension / (Contracted Out) Tracing
- ✓ Private UK Pension Tracing.
- ✓ Assets Review for Inheritance Tax
- ✓ Appealing-Past years HRMC Penalties
- ✓ Preparation / Filing of Prior year tax returns
- ✓ Duplicate-Payslips/ P60s

ICAEW CHARTERED ACCOUNTANTS

SARMAD KHAN ACA, FCCA

OFFICE 115 LONDON ROAD MORDEN SURREY SM4 5HP UK

TEL +44(0)208 646 3666 FAX +44 (0)208 082 5002

E-MAIL: INFO@SARMADGLOBAL.COM

WEB. WWW.SARMADGLOBAL.COM

CELL +44 (0) 7903 416966

SAAMS FUNCTION HALL

Catering & Event Management

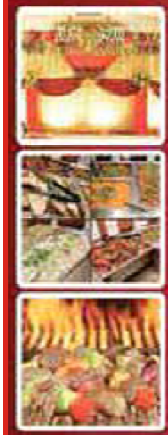

Services Available

- Catering Service
- Special Events
- Corporate Event
- Linen
- Crockery
- Cutlery
- Fresh Flowers
- Drinks
- Stages Decore
- Barbecue Hire

Enquire for a Booking

We Take reservations Everyday

Catering to your requirments
Cell:07883 815195

Under New Management
Newly Refurbished function Hall

SHAHMASKEEN & Co.UK.Ltd

LETTING

SALE

& ALL TYPE OF
BUILDING WORKS

Contact:

S M Shah

+447888683496

Z A Hashmi

+447705982260

shahmaskeen01@gmail.com

SHARIF
JEWELLERS
SINCE 1952

22K GOLD & DIAMOND JEWELLERY
GIA / HRD CERTIFIED DIAMONDS

HUGE SALE

ENJOY UPTO

50% OFF

ON MAKING CHARGES

& NO MAKING ON SELECTED COLLECTIONS*

28 LONDON ROAD, MORDEN SM4 5BQ

+44 20 8075 5777
+44 7888 300 399

*Applicable taxes, terms & conditions apply. Please visit our store for details.

FREE CONSULTATION & LEGAL ADVICE
24 Hours Emergency Numbers

مفت قانونی مشاورت
24 گھنٹے ایمرجنسی سروس

07878 33 5000 / 07774222062

RASHID & RASHID LAW FIRM
211, The Broadway, Southall, UB1 1NB.
Near McDonalds Southall.
Tel: 02085 401 666, Fax 02085 430 534
Email: law786@live.com

190 Merton High Street, Wimbledon
London SW191AX
Tel: 02085 401 666, Fax 02085 430 534
Email: law786@live.com

راشد اینڈ راشد لاء فرم
211، دابراڈوے، ساؤتھ ہال، UB1 1NB، نزد میکڈونلڈز ساؤتھ ہال
فون: 02085 401 666، فیکس 02085 430 534
ای میل: law786@live.com

190 میرٹن ہائی سٹریٹ، ویمبلڈن
لندن SW19, 1AX
فون: 02085 401 666، فیکس 02085 430 534
ای میل: law786@live.com

SOW THE SEEDS OF LOVE

Benefit with very competitive rates, tailored advice & service to suit your specific needs, 24 hour response to all online enquiries and our many years of experience
www.rashidandrashid.co.uk

مناسب ریٹس میں آپ کی مخصوص ضروریات کے
تحت موزوں مشورہ، 24 گھنٹے آن لائن سروس
اور ہمارا سالوں کا تجربہ

- Asylum & Immigration
- New Point Based System
- Settlement Application (ILR)
- European Law
- Nationality & Travel Documents
- Human Rights Applications
- High / Court of Appeals
- Family Matters and Divorce
- Switching Visas
- Over Stayers
- Legacy Cases
- Work Permits
- Visa Extensions
- Judicial Reviews
- Tribunal Appeals
- Student appeals

- اسائلم/سیاسی پناہ اور امیگریشن
- نیا پوائنٹ بیسڈ امیگریشن سسٹم
- ویزا میں تبدیلی
- ویزا توسیع/ایکسٹینشن
- سیٹلمنٹ درخواست (ILR)
- یورپین قانون
- اوور سٹیئرز
- جوڈیشل ریویو
- نیشنیلٹی اور سفری دستاویزات
- درخواست برائے انسانی حقوق/ہیومن رائٹس
- وراثتی معاملات/لیگیسی کیس
- ٹرائبونل اپیل
- ہائی/کورٹ آف اپیل
- طلاق و دیگر خاندانی معاملات
- ورک پرمٹ
- سٹوڈنٹس اپیل

RASHID & RASHID
Solicitors, Advocates
Immigration Specialists
Commissioners of Oaths

راشد احمد خان
وکیل (پرنسپل)